اردو زبان کی



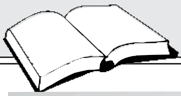
تالیف: مولانا محمد اسماعیل خان صاحب میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ

تسہیل و کمپوزنگ و ڈیزائننگ: رضوان احمد

ناشر

تعمیر معاشرہ جامعہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

مدنی کالونی، ہاکس بے روڈ گریکس، ماڑی پور کراچی 0333-2117851



اردو زبان کی

چوتھی کتاب

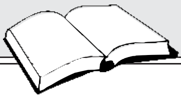
تالیف: مولانا محمد اسماعیل خان صاحب میرٹھی

تسہیل و کمپوزنگ و ڈیزائننگ: ماسٹر رضوان احمد



تعمیر معاشرہ جامعہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم

مدنی کالونی، ہاکس بے روڈ گریکس، ماڑی پور کراچی 0333-2117851



پیش لفظ

الحمد للہ الذی خلق الإنسان، علمه البیان، والصلاۃ والسلام علی من أوتی جوامع الکلم وعلی اله وصحبه أجمعین.

امابعد! اردو زبان کی اہمیت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ نئی مسلم پود کے لیے حضرت مولانا محمد اسماعیل خان صاحب میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "اردو زبان کا قاعدہ" اور "سلسلہ وار پانچ نصابی کتابیں" مرتب فرمائیں۔

اس نصاب کی گوناگوں خصوصیات، محاسن اور محامد پر ایک نظر ڈالنے کے بعد کوئی شخص اُسے گلہائے رنگارنگ کا حسین گلدستہ نام دے گا، تو کوئی اُس کو "کشکول معلومات" یا "بچوں کے اردو ادب کا انسائیکلوپیڈیا" کہے گا۔

یہ کتابیں انسانی زندگی کے بنیادی تمام احوال کو محیط ہے۔ اِن میں بچوں کی دلچسپی اور تفریح طبع کا سامان بھی ہے، مختلف پیشوں اور حرفتوں کا تعارف بھی۔ الغرض یہ کتابیں ایک اعلیٰ درجے کا ادبی شاہ کار ہیں، اِن کے نثری و شعری مضامین دل کو چھو جاتے ہیں، کسی بھی سبق کو لے لیجیے اُس میں انسانیت کا سبق ہو گا، علم و حکمت کی تعلیم ہو گی، ادب اور شائستگی کی تربیت ہو گی، ہر سبق میں لطف اور مزہ ہو گا، چاشنی اور شیرینی ہو گی، عُلوِ ہمت اور بلند حوصلگی ہو گی، اخلاقی پاکیزگی ہو گی، زبان کی صفائی ہو گی اور ذوق کی نفاست ہو گی۔

ان کے پڑھنے سے بچوں کو دلی خیالات کی بہترین تعبیر و ترجمانی کا گُر اور سلیقہ آئے گا۔ ان سے عقل میں وہ شعور آئے گا کہ آج کے یہ بچے کل قوم کے معمار اور ایک اچھے مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ عملی زندگی میں متمدِّن، شائستہ، خوش گفتار، بلند کردار، حوصلہ مند، کریم و شریف اور باذوق ادیب بن سکتے ہیں۔

آپ کے ہاتھوں میں موجود یہ حصہ اسی زرین سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

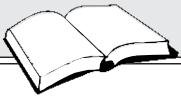
نوٹ: ان کتابوں کی تدریس کے وقت مندرجہ ذیل امور پیشِ نظر رکھیں:

(1) چونکہ یہ نصابی سلسلہ ہمارے علم کی حد تک ملک عزیز پاکستان میں رائج و شائع نہیں ہے لہٰذا فی الوقت اس کی اہمیت کے پیش نظر صرف مواد کے جمع کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے، اعراب اور حرکات لگانے کا کام مستقل اشاعت پر موقوف ہے۔ اساتذۂ کرام سے درخواست ہے کہ تدریس کے وقت صحیح اعراب اور حرکات کی پہچان میں اردو لغت کی معتبر کتب مثلاً فرہنگ آصفیہ، فیروز اللغات وغیرہ پر اعتماد کریں۔

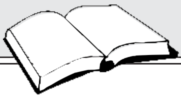
(2) دورانِ تدریس کسی بھی قسم کی غلطی، اصلاحی مشورہ اور اہم امور کو نوٹ کرتے رہیں اور اگر ہو سکے تو تصحیح شدہ و نشان زدہ نسخہ کے ہمراہ ہمیں یہ امور مندرجہ ذیل پتہ پر ارسال فرما کر اس عظیم صدقہ جاریہ کے کام میں معاون بنیں۔ واجرکم علی اللہ۔

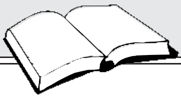
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کتابوں کی جمع، ترتیب اور تسہیل میں جن جن احباب کا تعاون و مشاورت شاملِ حال رہی ان کو شایانِ شان اجر جزیل و عظیم نصیب فرما کر اس سلسلے کو عام اور تام فرمائیں اور خاص اپنی رضا کا ذریعہ بنائیں۔ آمین

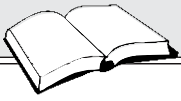
کتبہ: ماسٹر رضوان احمد
جامعہ خلفائے راشدین ہاکس بے روڈ گریکس ماری پور کراچی نمبر ۱۳
0313-8349485, 0333-2117851



فہرست







(ا) خدا کی قدرت

جو چیز خدا نے ہے بنائی
اُس میں ظاہر ہے خوش نمائی

کیا خوب ہے رنگ ڈھنگ سب کا!
چھوٹی بڑی جس قدر ہیں اشیا

روشن چیزیں بنائیں اُس نے
اچھی شکلیں دکھائیں اُس نے

ہر چیز کی ہے ادا نرالی
حکمت سے نہیں ہے کوئی خالی

ہر چیز ہے ٹھیک ٹھیک لاریب
ہیں اُس کے تمام کام بے عیب

ننھی کلیاں چٹک رہی ہیں
چھوٹی چڑیاں پھدک رہی ہیں

اُس کی قدرت سے پھول مہکے
پھولوں پہ پرندے آ کے چہکے

چڑیوں کے عجب پَر لگائے!
اور پھول ہیں عطر میں بسائے

چڑیوں کی ہے بھانت بھانت آواز
پھولوں کا جدا جدا ہے انداز

محلوں میں امیر ہیں بہ آرام
ہے در پہ کھڑا غریب ناکام

ہے کوئی غنی تو کوئی محتاج
بے گھر ہے کوئی، کسی کے گھر راج

روزی دونوں کو دی خدا نے
معمور ہیں قدرتی خزانے محمود

تاروں بھری رات کیا بنائی!
دن کو بخشی عجب صفائی

موتی سے پڑے ہوئے ہیں لاکھوں
ہیرے سے جڑے ہوئے ہیں لاکھوں

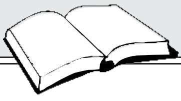
کیا دودھ کی چاندنی ہے چٹکی!
حیران ہو کر نگاہ ٹھٹکی

تارے رہے صبح تک، نہ وہ چاند
آگے سورج کے ہو گئے ماند

نیلا نیلا اب آسماں ہے
وہ رات کی انجمن کہاں ہے

شام آئی تو اُس نے پردہ ڈالا
پھر صبح نے کردیا اُجالا

جاڑا، گرمی، بہار، برسات
ہر رُت میں نیا سماں، نئی بات



جاڑے سے بدن ہے تھر تھراتا — ہر شخص ہے دن میں دھوپ کھاتا

سردی سے ہیں ہاتھ پاؤں ٹھرتے — سب لوگ الاؤ پر ہیں گرتے

سرسوں پھولی بسنت آیا — سب نے پھا گن کا راگ گایا

پھوٹیں نئی کونپلیں شجر میں — اک جوش بھرا ہوا ہے سر میں

جاڑے کی جو رت پلٹ گئی ہے — دن بڑھ گیا رات گھٹ گئی ہے

گرمی نے زمین کو تپایا — بھانے لگا ہرکسی کو سایا

برسات میں دل ہیں بادلوں کے — ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے

رو آتی ہے زور و شور کرتی — دامان زمین کو کترتی

کس زور سے بہ رہا ہے نالا — اونچے ٹیلے کو کاٹ ڈالا

بل کھا کے ندی نکل گئی ہے — رُخ اپنا اُدھر بدل گئی ہے

دریا ہے رواں پہاڑ کے پاس — بستی ہے بسی اجاڑ کے پاس

بستی کے اِدھر اُدھر ہے جنگل — جنگل ہی میں ہو رہا ہے منگل

مٹی سے خدا نے باغ اُگائے — باغوں میں اُسی نے پھل پکائے

میوے سے لدی ہوئی ہے ڈالی — دانوں سے بھری ہوئی ہے بالی

سبزے سے ہرا بھرا ہے میداں — اونچے اونچے درخت ذی شاں

ہم کھیلتے ہیں وہاں کبڈی — میری ہے کوئی، کوئی پھسڈی

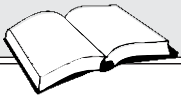
گائیں بھینسیں عجب بنائیں! — کیا دودھ کی ندیاں بہائیں!

پیدا کیے اونٹ، بیل، گھوڑے — ہر شے کے بنا دیے ہیں جوڑے

روشن آنکھیں بنائیں دو دو — قدرت کی بہار دیکھنے کو

دوہونٹ دیے کہ منہ سے بولیں — شکر اس کا کریں، زباں کھولیں

بے شک ہے خدا قوی و قادِر — ہر شے اُس نے بنائی نادر



(۲) خودرائی کا نتیجہ

دو کبوتر ایک ہی آشیانے میں رہا کرتے تھے، ایک کا نام تھا ''بازندہ''، دوسرے کا ''نوازندہ''۔ بازندہ کے دل میں سیر و سیاحت کا شوق پیدا ہوا، یارِ غم گسار سے کہا کہ آؤ ہم تم مل کر دنیا کا گشت لگائیں؛ کیوں کہ سفر میں بے شمار عجائبات نظر سے گذرتے ہیں اور تجربہ حاصل ہوتا ہے۔

؎ سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں　　زندگی گر کچھ رہی، تو نوجوانی پھر کہاں

نوازندہ نے کہا: سنو بھائی! تم نے کبھی سفر کی محنت نہیں سہی، اور غربت کی مشقت نہیں اٹھائی، اگر تم اس سے واقف ہوتے تو ہرگز ایسا فضول ارادہ نہ کرتے۔

بازندہ نے کہا: یہ تو سچ ہے کہ سفر کی تکلیفات سے کبھی کبھی جان پر آبنتی ہے؟

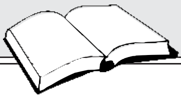
مگر جہاں کا سیر و تماشا کچھ ایسا دل چسپ اور راحت افزا ہے کہ تمام کلفتوں کو بھلا دیتا ہے، اور جب طبیعت کو شدائدِ سفر کے عمل کی عادت ہو جاتی ہے اور عجائبات عالم کی دیکھ بھال کا چسکا لگ جاتا ہے، تو یہ مصیبت بھی راحت معلوم ہونے لگتی ہے۔

؎ گلستانِ جہاں میں پھول بھی ہیں اور کانٹے بھی　　مگر جو گل کے جویا ہیں انھیں کیا خار کا کھٹک

نوازندہ نے کہا: اے رفیق! دنیا کا سیر و تماشا تو اُسی وقت بَھلا معلوم ہوتا ہے جب اپنے عزیز رفیق دوست احباب ساتھ ہوں، اور اگر اُن سب کی مفارقت گوارا کر کے سیر کی تو ہیچ ہے، اُن کی جدائی کا رنج والم تمام کیفیتوں کو خاک میں ملا دیتا ہے؟ اب تم کو رہنے کے لیے گھر، کھانے کے لیے دانہ پانی بافراغت میسر ہے، بس اسی پر قناعت کرو، اور اپنے گوشہ عافیت میں سلامتی سے رہنے کو غنیمت سمجھو۔

بازندہ نے کہا: بھائی جان! دوستوں کی جدائی کا ذکر تو فضول ہے؛ اس لیے کہ جب قطع تعلق کر کے چل کھڑے ہوئے، تو جہاں کہیں جائیں گے وہاں کیا دوست آشناؤں کا قحط ہوگا؟ ملنسار کو ہر جگہ ملنے والے بَہم پہنچ سکتے ہیں، اور خود مسافرت ہی مسافر کو پختہ کار بنا دیتی ہے، اس کو دوستوں کی کچھ پرواہ نہیں۔

نوازندہ نے کہا: اچھا صاحب! جب آپ قدیم دوستوں کی صحبت ترک کرنے پر مستعد اور نئے دوست، آشنا پیدا کرنے پر آمادہ ہیں، تو میری باتوں کا اثر آپ کے دل پر کیوں ہونے لگا، اس صورت میں صلاح و مشورہ سب بے سود؛



خیر، خدا حافظ! جو تمہارے جی میں آئے سو کرو۔

الغرض بازندہ اپنے پرانے رفیق کو چھوڑ کر اُڑا، جنگلوں میدانوں کا سپاٹا بھرتا اور پاؤں کی سیر کرتا ایک پہاڑی کے دامن میں جا ٹھہرا، وہاں کا سبزہ زار میدان اور دل کشا منظر اس کو بہت ہی بھایا، ہشام بھی قریب تھی، وہیں قیام کا ارادہ کر دیا۔

ابھی ستانے بھی نہ پایا تھا کہ یکا یک زور شور کی آندھی اٹھی، بجلی کی کڑک، چمک اور بادلوں کی گھور گرج کے ساتھ ایک سخت طوفان نے اس کو گھیر لیا، بازندہ کو کوئی جائے پناہ نہ ملی، درختوں کی شاخوں اور پتوں میں چھپ چھپا کر ہزار خرابی سے وہ رات بسر کی صبح ہوئی تو پھر اڑا، اب سوچتا تھا کہ وطن کو پھر چلے، کبھی کہتا تھا کہ جب ارادہ کیا ہے تو چند روز اور بھی کیفیتِ سفر دیکھنی چاہیے۔

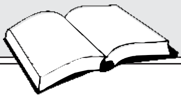
اسی فکر و تردد میں بڑھا چلا جاتا تھا، کہ ایک شاہین نہایت قوی چست و چالاک اور بڑا شکاری اس کی طرف جھپٹا، یہ آفت ناگہانی جو پیش آئی تو بازندہ کے ہوش اڑ گئے، سر سے پاؤں تک سناٹا چھا گیا، دل سینے میں دھڑکنے لگا، اپنی عقل و فہم پر نظریں کی، اور اپنے نامعقول ارادے پر سخت پشیمان ہو کر دل میں کہنے لگا: "اگر اب کی بار اس بلا سے نجات پاؤں تو پھر کبھی سفر کا نام نہ لوں، اور اپنے رفیق کی صحبت کو ہمیشہ غنیمت سمجھوں"۔

ادھر اس نے یہ نیت کی، اُدھر غیب سے رہائی کا سامان شروع ہوا، ایک تیز پرواز عقاب دوسری جانب سے بازندہ کی طرف لپکا، اور چاہا کہ شاہین سے پہلے ہی اس کو جا دبوچے، اگرچہ شاہین اس کے جوڑ کا نہ تھا، مگر غیرت اور غصے نے اس کو ایسی جرات دلائی کہ فوراً عقاب کے مقابل ہو گیا، دونوں میں چونچ پنجوں سے جھڑپ ہونے لگی۔

ے جب کہ دو موذیوں میں ہو کھٹ پٹ — اپنے بچنے کی فکر کر جھٹ پٹ

بازندہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے میں جلدی کی، ایک پتھر کے تلے جا گھسا، سُکڑ سُکڑا کر ایک تنگ سوراخ میں بہ ہزار دقت اپنے تئیں چھپایا، اور ساری رات وہیں کاٹی۔

جب آشیانہ مشرق سے خورشید جہاں تاب نے سر نکالا، اور روئے زمین پر اپنے نورانی بازو پھیلا دیے تو بازندہ بھی سوراخ سے باہر آیا، اگرچہ سفر کی تھکان، خوف کے صدمے اور بھوک پیاس کی شدت سے قوت پرواز باقی نہ تھی مگر چار و ناچار پھر اڑا، چلتے چلتے ایک کبوتر نظر آیا جس کے سامنے تھوڑا سا دانہ بھی پڑا تھا، یہ بھوک کے مارے بے تاب تھا ہی، اپنے ہم جنس کی صورت دیکھی اور آب و دانہ حاضر، فوراً اُتر پڑا۔



بے چارے نے ابھی دانے پر منھ بھی نہ ڈالا تھا کہ جال میں پھنس گیا، بہت تڑپا، بہت پھڑ پھڑایا؛ مگر جال سے مخلصی نہ پائی؛ آخر اس کبوتر کو لعنت ملامت کرنے لگا کہ تیری وجہ سے میں اس دام بلا میں مبتلا ہوا، تو نے ہم جنس ہو کر مجھے غریب پردیسی کے ساتھ دغا کی، تجھ کو لازم تھا کہ یہاں اُترنے سے پیشتر ہی مجھ کو اس خطرے سے آگاہ کر دیتا۔

اُس کبوتر نے جواب دیا کہ: ''بھائی! قضا کے سامنے سعی پیش نہیں جاتی، یہ تمھارا افسوس محض لا حاصل ہے۔ باز ندہ نے کہا: خیر، جو ہوا سو ہوا، اب میری مخلصی کی سبیل نکالو، جب تک زندہ رہوں گا تمھارا احسان نہ بھولوں گا، کبوتر بولا:

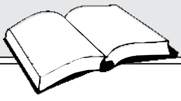
ارے بے وقوف! اگر ایسا حیلہ مجھ سے بن پڑتا تو میں اپنی ہی رہائی کی فکر نہ کرتا، تیرا حال تو اس اونٹنی کے بچے کا سا ہے جس نے سفر کی ماندگی سے اکتا کر کہا تھا: اے میری پیاری ماں! اتنی دیر تو ٹھہر جا کہ ذرا میں دم لے لوں، ماں نے جواب دیا: اے میرے بھولے بھالے بچے! اگر نہار میرے ہاتھ میں ہوتی تو بھلا میں یوں لدی لدی کیوں پڑی پھرتی۔

جب باز ندہ کی آس بالکل ٹوٹ گئی تو بے اختیار پھڑ کنے لگا، اور ایک بارگی جی توڑ کر زور مارا، اتفاق سے جال تھا کہنہ فرسودہ، فوراً ڈورے ٹوٹ گئے اور باز ندہ نکل بھاگا، اب تو چھوٹتے ہی وطن کی طرف رُخ کیا، آشنائے راہ میں ایک ویرانہ گاؤں پڑا، وہاں ایک دیوار پر جو کھیت کے قریب ہی تھی ذرا دم لینے کو ٹھہرا۔

کسان کے لڑکے نے، جو کھیت کی رکھوالی کر رہا تھا، کبوتر کو دیکھ لیا، اور چپکے سے ایک غُلہ ایسا تاک کر مارا کہ اس کے بازوں کو رگڑتا ہوَسَن سے نکل گیا، وہ تڑپ کر گرا، اور لڑکا اپنے شکار کی تلاش میں دوڑا، یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ کبوتر اس کنویں میں جا گرا ہے جو زیرِ دیوار تھا، تو لڑکا مایوس ہو کر لوٹ گیا۔

باز ندہ نے چوں کہ ضرب شدید کھائی تھی؛ اس لیے ایک رات اُسی کنویں کے اندر افسردہ و پژمردہ پڑا رہا، اگلے روز ذرا اِفاقہ ہوا تو افتاں و خیزاں وہاں سے چل نکلا، اور اپنے قدیم آشیانے کی راہ لی۔

نواز ندہ نے جو اس کی آہٹ سنی تو نہایت خوش ہو کر پیشوائی کے لیے دوڑا، اور بڑی خاطر و مدارات سے اس کو آشیانے میں لے گیا، پھر سفر کا حال پوچھا، باز ندہ نے وہ مصیبت کی داستان سنائی، اور کہا کہ: "میں سنا کرتا تھا کہ سفر سے بڑا تجربہ حاصل ہوتا ہے، خیر مجھ کو یہی تجربہ حاصل ہوا کہ بغیر دوست کے مشورہ اور صلاح کے کوئی کام نہ کرنا چاہیے۔



(۳) محمود غزنوی اور بڑھیا

محمود کے حال میں مؤرخوں نے ایک بڑا دل چسپ قصہ لکھا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نیک دل اور منصف مزاج تھا، اور جب کوئی اس کو نیک مشورہ دیتا تھا، تو گو اس کی طبیعت کے خلاف ہوتا؛ مگر فوراً مان لیتا تھا۔

لکھا ہے کہ: ''غزنی'' سے ''ایران'' کو جو سڑک جاتی ہے اُس پر بلوچی قزاقوں نے ایک مضبوط قلعہ اپنی جائے پناہ بنالیا تھا، جو سوداگر اس راہ سے گزرتے وہ قزاق ان کو قتل و غارت کرتے، ایک دفعہ انھوں نے تاجروں کے ایک کارواں کو لوٹ لیا، اور خراسان کے ایک نوجوان کو مار ڈالا۔

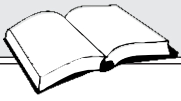
اس نوجوان کی بڑھیا ماں روتی پیٹتی دادخواہی کے واسطے محمود کے دربار میں حاضر ہوئی، بادشاہ نے جواب دیا کہ: وہ مقام میرے پایہ تخت سے اتنے دور دراز فاصلے پر ہے، کہ وہاں کی وارداتوں کا انتظام دُشوار ہے، یہ سن کر اُس مظلومہ نے کہا: پھر ایسا ملک جس کی امن وامان کا بندوبست تجھ سے نہیں ہوسکتا اپنے قبضے میں کیوں رکھ چھوڑا ہے، اور اُس پر حکومت وحراست کا دعویٰ کیوں کرتا ہے؟

بڑھیا کی اس بے باکانہ تقریر اور سچی بات نے بادشاہ کے دل پر ایسا اثر کیا، کہ وہ فوراً ان قزاقوں کے غارت کرنے پر مستعد ہوگیا، اور آئندہ کے لیے حکم دے دیا کہ: جو قافلہ اُس راہ سے گذرے اُس کے ہمراہ ایک فوجی گارڈ جایا کرے۔

(۴) محمود غزنوی اور کُنور رائے والیٔ قنوج

ایک بار سلطان محمود غزنوی نے قنوج پر یورش کی، یہ شہر اس زمانے میں نہایت آراستہ و پیراستہ بارونق و مالا مال اور راجہ کنور رائے کا دارالسلطنت تھا، جب سلطانی لشکر قریب پہنچا تو اس کی عظمت وشوکت دیکھ کر راجہ کو تابِ مقاومت نہ ہوئی، ناچار سلطان کے روبرو خود حاضر ہوکر اظہار عجز و نیاز کیا۔

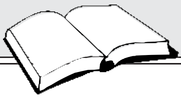
یہ کیفیت دیکھ کر سلطان کا دل بھی نرم ہوگیا، شاہانہ لطف و مدارات سے پیش آیا، اور اُس کے ملک و مال سے کچھ تعرض نہ کیا، تین روز تک راجہ کے ہاں مہمان رہا، اور بوقتِ رخصت وعدہ کیا کہ: اگر کوئی غنیم تمھاری اذیت کے درپے ہوگا، تو امداد و اعانت کے لیے میں خود آؤں گا۔



جب سلطان واپس چلا گیا تو راجگان ہند نے اس اتحاد و اخلاص پر اُس کو سخت لعنت ملامت کی، اور راجہ کالنجر کے ساتھ ہو کر دربار قنوج پر سب نے حملہ کیا، سلطان یہ خبر پا کر حسب وعدہ اپنے دوست کی کمک کے واسطے روانہ ہوا مگر قبل اس کے کہ وہ یہاں پہنچے کنور رائے کا کام تمام ہو چکا تھا۔

(۵) گرمی کا موسم

مئی کا آن پہنچا ہے مہینہ — بہا چوٹی سے ایڑی تک پسینہ
بجے بارہ تو سورج سر پہ آیا — ہوا پیروں تلے پوشیدہ سایا
چلی لُو اور تڑاقے کی پڑی دھوپ — لپٹ ہے آگ کی گویا کڑی دھوپ
زمین ہے، یا کوئی جلتا توا ہے — کوئی شعلہ ہے، یا پچھوا ہوا ہے
درو دیوار ہیں گرمی سے تپتے — بنی آدم ہیں مچھلی سے تڑپتے
پرندے اُڑ کے ہیں پانی پہ گرتے — چرندے بھی ہیں گھبرائے سے پھرتے
درندے چھپ گئے ہیں جھاڑیوں میں — مگر ڈوبے پڑے ہیں کھاڑیوں میں
نہ پوچھو کچھ غریبوں کے مکاں کی — زمیں کا فرش ہے، چھت آسماں کی
نہ پنکھا ہے، نہ ٹٹّی ہے، نہ کمرہ — ذرا سی جھونپڑی محنت کا ثمرہ
امیروں کو مبارک ہو حویلی — غریبوں کا بھی اللہ بیلی



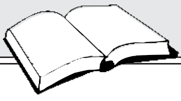
(٦) سلطان ناصرالدین

دِلّی کے بادشاہوں میں سلطان ناصرالدین بڑا نیک نہاد، خلیق، شجاع، عابد اور سخی تھا، اس کا دربار اور سلطنت کا ساز و سامان تو نہایت شاندار تھا، مگر اپنی بود و باش کا خاص محل نہایت سادہ اور بے تکلف تھا، اور بادشاہوں کی طرح اس کی حرم سَرا بیگمات اور کنیزوں کی چھاؤنی نہ تھی، صرف ایک بیگم تھی وہی بیچاری گھر کا سب کام کاج کرتی، کھانا بھی اپنے ہاتھ سے پکاتی۔

ایک روز اس نیک بخت بی بی نے سلطان سے درخواست کی کہ ایک لونڈی باورچی خانے کا کام کرنے کو خرید لیجے تو بہتر ہو، روٹیاں پکانے سے میرے ہاتھ جھلستے ہیں؛ سلطان نے جواب دیا کہ: ''شاہی خزانہ رعایا کا مال ہے، میرا حق اُس میں کچھ نہیں کہ روپیہ لے کر لونڈی خریدوں، میرا ذاتی خرچ قرآن شریف کی کتابت سے چلتا ہے، اس میں صرف کھانے پہننے کا گزارہ ہوسکتا ہے، اے بیگم! تو صبر کے ساتھ اس مشقت کو برداشت کر، امید ہے کہ خدا آخرت میں اس کا اجر دے گا۔

تمام عمر اس بادشاہ کی فقیرانہ بسر ہوئی، ہمیشہ عبادت الٰہی اور پرہیز گاری میں مشغول رہا، اپنے مصارف کے واسطے سلطنت کے خزانے سے اُس نے کبھی ایک حبّہ نہیں لیا، صرف قرآن مجید کی کتابت پر اوقات بسر کی، ایک بار کسی امیر نے۔اس خیال سے کہ بادشاہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن ہے۔معمول سے زیادہ دام دیے، یہ امر سلطان کو ناگوارِ خاطر ہوا، اس لیے آئندہ سے خفیہ طور پر ہدیہ کرنے کا اہتمام کیا۔

اسی بادشاہ کے عہدِ سلطنت میں ہلاکو خان مغل کا ایلچی آیا تھا، اس کے استقبال کو سلطان کا وزیر بلبن بڑی شان و شوکت کے ساتھ نکلا، جس کی جلو میں پچاس ہزار سوار، دو لاکھ پیادے اور دو ہزار جنگی ہاتھی تھے؛ اس وقت طبل و نکارہ کی صدا، نفیریوں کا شور، ہاتھیوں کا چنگھاڑنا، گھوڑوں کا ہنہنانا، ہتھیاروں کا چمکنا، آتش بازی کا چھوٹنا ایسا عجیب ہنگامہ تھا جس نے مغل سفیر کے دل پر بڑا اثر کیا! جب اس کو سلطانی دربار میں بار ملا تو بارگاہ کی آرائش اور اُس میں عالی جاہ شاہزادوں، ذی شان امیروں اور ہند کے راجہ مہاراجوں کا ہجوم دیکھ کر اور بھی دنگ رہ گیا۔



(۷) میرا خدا میرے ساتھ ہے

ہے ہمیشہ مری خدا پہ نظر　　رات ہو دن ہو شام ہو کہ سحر
نہ اُجالے میں ہے کسی کا ڈر　　نہ اندھیرے میں کوئی خوف وخطر
کیوں کہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

شام کا وقت، یا سویرا ہو　　چاندنی ہو کہ گھپ اندھیرا ہو
مینہ نے، آندھی نے مجھ کو گھیرا ہو　　لیک پُر ہول دل نہ میرا ہو
کیوں کہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

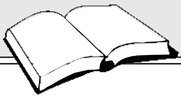
جب کہ طوفان کا ہو سناٹا　　سخت اندھیاؤ کا چلے جھونکا
جڑ سے پیڑوں کو دے اُکھیڑ ہوا　　میرے دل میں نہ خوف ہو اصلاً
کیوں کہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

ٹوٹ کر آسمان سے تارے　　شب کو گرتے ہیں جیسے انگارے
وہم کرتے ہیں لوگ بیچارے　　میں نہ گھبراؤں خوف کے مارے
کیوں کہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

چاند سورج کا دیکھ کر گہنا　　میرے ہم جولیوں کو ہے کھٹکا
لوگ کرتے ہیں خوف کا چرچا　　پر مجھے اس کی کچھ نہیں پروا
کیوں کہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

جب ستارہ طلوع ہوا دمدار　　دم ہو ایسی کہ چھوٹتا ہے انار
سب پہ طاری ہو ں خوف کے آثار　　میرے بھانویں نہ ہوں زِنہار
کیوں کہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

میرے رستے میں ہو اگر میدان　　یا پرانا کوئی کھنڈر سُن سان
کوئی مرگھٹ ہو یا ہو قبرستان　　نہ خطاہوں وہاں میرے اوسان
کیوں کہ میرا خدا ہے میرے ساتھ



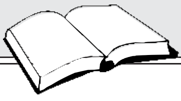
ہو بیابان میں گزر میرا — یا سمندر پہ ہو سفر میرا
دور رہ جائے مجھ سے گھر میرا — رہے پھر بھی قوی جگر میرا
کیوں کہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

جب کہ دریا میں آئے طغیانی — اور ہاتھی ڈباؤ ہو پانی
پار کھیوا نہ ہو بآسانی — مجھ کو اندیشہ ہو نہ حیرانی
کیوں کہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

لشکروں کی جہاں چڑھائی ہو — شہ سواروں نے باگ اٹھائی ہو
اور گھمسان کی لڑائی ہو — واں بھی ہیبت نہ مجھ پہ چھائی ہو
کیوں کہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

(۸) ایک پودااور گھاس

اتفاقاً ایک پودا اور گھاس — باغ میں دونوں کھڑے ہیں پاس پاس
گھاس کہتی ہے کہ: اے میرے رفیق! — کیا انوکھا اس جہاں کا ہے طریق
ہے ہماری اور تمھاری ایک ذات — ایک قدرت سے ہے دونوں کی حیات
مٹی اور پانی، ہوا اور روشنی — واسطے دونوں کے یکساں ہے بنی
تجھ پہ لیکن ہے عنایت کی نظر — پھینک دیتے ہیں مجھے جڑ کھود کر
کون دیتا ہے مجھے یاں پھیلنے — کھالیا گھوڑے گدھے یا بیل نے
تجھ پہ منہ ڈالے جو کوئی جانور — اُس کی لی جاتی ہے ڈنڈے سے خبر



اولے پالے سے بچاتے ہیں تجھے — کیا ہی عزت سے بڑھاتے ہیں تجھے

چاہتے ہیں تجھ کو سب کرتے ہیں پیار — کچھ پتا اس کا بتا اے دوست دار!

اُس سے پودے نے کہا یوں سر ہلا — گھاس! سب بے جا ہے یہ تیرا گلا

مجھ میں اور تجھ میں نہیں کچھ بھی تمیز — صرف سایا اور میوہ ہے عزیز

فائدہ اک روز مجھ سے پائیں گے — سایہ میں بیٹھیں گے اور پھل کھائیں گے

ہے یہاں عزت کا سہرا اُس کے سر — جس سے پہنچے نفع سب کو بیشتر

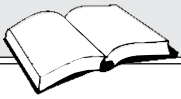
(۹) سلطان جلال الدین خلجی

جلال الدین عہد بلبن کے سرداروں میں سے تھا، جب بلبن کا پوتا" کیقباد" مے نوشی کی کثرت سے لقوہ اور فالج میں مبتلا ہو گیا تو جلال الدین تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا، کچھ عرصے کے بعد کوشکِ لعل میں گیا جو سلطان بلبن کا دیوان خاص تھا، وہاں پہنچ کر دستور قدیم کے موافق گھوڑے سے اتر پڑا، مقربانِ خاص میں سے ایک نے سبب پوچھا تو کہا کہ میں اس مکان کا ادب اس لیے کرتا ہوں کہ وہ میرے آقا کا بنوایا ہوا ہے مجھے اپنی جان کے خوف سے مجبوراً بادشاہ بننا پڑا ورنہ میں کہاں اور تختِ شاہی کہاں۔

وہ اپنے قدیم دوستوں سے ہمیشہ اسی بے تکلفی کے ساتھ ملتا رہا جو حصول سلطات سے پہلے تھی، نہایت سادہ مزاج، راست باز اور رحم دل آدمی تھا، یہاں تک کہ بعض اوقات اس کی رحم دلی سلطنت کے نظم و نسق میں بھی خلل انداز ہوتی تھی، چناں چہ ایک بار قلعہ رنتھنبور کو فتح کرنے سے صرف اس واسطے چھوڑ دیا کہ بندگانِ خدا کا خون نہ بہے۔

وہ اکثر موقعوں پر قہر و غضب کے بجائے احسان و مروت سے کام لیتا تھا؛ چناں چہ باغیوں کے ساتھ وہ سلوک کیا جو وفادار جاں نثار دوستوں کے ساتھ کرنا چاہیے، اس بادشاہ نے سلطان بلبن کے بھتیجے کو کڑا مانک پور جاگیر میں دے دیا تھا؛ مگر کسی سبب سے وہ باغی ہو گیا اور بادشاہی فوج سے مقابلہ کر بیٹھا۔

آخر کار وہ اور اُس کے رفقا گرفتار کر کے بادشاہ کے حضور میں لائے گئے، اس خدا ترس رحم دل نے فوراً سب



قیدیوں کی مشکلیں کھلوادیں، اُن کوغسل کرایا، نیا لباس پہنایا، عطر لگایا اور نہایت لطف وعنایت سے اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا۔

جب آب وطعام سے فراغت پاچکے تو باغی جاگیردار کے رفیقوں سے خطاب کیا کہ: ''اگرچہ تم میری فوج سے لڑے ہو؟ مگر میں تمھاری اُس وفاداری اور نمک حلالی سے نہایت خوش ہوا جو تم نے اپنے آقا کی رفاقت میں کی ہے" غرض اتنی خاطر ومدارات کی کہ وہ لوگ اپنے کردار سے بہت نادم اور منفعل ہوئے، اُس کے بعد ان کا قصور معاف کیا، اور بلبن کے بھتیجے کوملتان کے علاقے میں جاگیر دے کر رخصت کر دیا۔

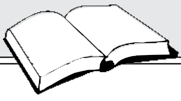
(۱۰) سلطان فیروز

''فیروز'' کا باپ سلطان غیاث الدین کا حقیقی بھائی اور سپہ سالار تھا، ابھی فیروز کی عمر پورے سات برس کی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ یتیم ہو گیا، مگر چچا نے اس کے سر پر دست شفقت رکھا، اور باپ سے زیادہ اس کی تعلیم وتربیت میں سعی فرمائی، آداب سلطنت اور آئین حکومت کے اسرار سے اس کو ماہر کیا۔

جب اٹھارہ برس کا سِن ہوا تو شفیق چچا نے بھی رحلت کی، اب چازاد بھائی محمد تغلق بادشاہ ہوا، اُس نے بھی اس نوجوان بھائی کے حال پر ہمیشہ نظرعنایت رکھی، یہاں تک کہ دم آخر وصیت کی کہ: میرے بعد تاج وتخت کا وارث میرا عزیز اور لائق بھائی فیروز ہے۔

دوسرے دن تمام اُمراء، علما اور صلحا اس کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور تخت سلطنت پر اجلاس کرنے کی درخواست کی ملک فیروز نے جواب دیا کہ: صاحبو! اول تو اس بارگراں کے اٹھانے کی مجھ میں قابلیت نہیں، دوسرے میرا قصد ہے حج بیت اللہ کا، پس مجھ کو معاف رکھیے۔

مگر جب لوگوں کا اصرار حد سے زیادہ پایا تو اٹھ کر وضو کیا، اور نہایت عجز ونیاز کے ساتھ دعا مانگی کہ: "خدایا! تیری اعانت کے بغیر کوئی کام سرانجام نہیں پاسکتا، میں اس بارعظیم کو محض تیرے حفظ وحمایت کے بھروسے پر اٹھاتا ہوں، تو ہی میری مدد کر یہ کہہ کر تاج شاہی پہنا؛ مگر ماتمی لباس نہ اتارا، مقربانِ خاص نے تبدیلِ لباس کے لیے التماس کیا تو فرمایا کہ: یہ اس شخص کے ماتم کا لباس ہے جو میرا باپ، استاد، مربی اور آقا تھا، ممکن نہیں کہ جاہ وسلطنت کی



مسرت اس کی جدائی کے غم کو بھلا دے۔

وہ بڑا رعایا پرور، نیک منش اور رحم دل بادشاہ تھا، پہلا کام اس نے یہ کیا کہ: تغلق کے زمانے کا زرتقاوی جو رعایا کے ذمہ واجب الادا تھا ایک لخت معاف کر دیا۔ ایک بار اس نے ملک سندھ پر فوج کشی کی تھی، سندھیوں نے شاہی فوج کی تباہی کا یہ سامان کیا کہ فصل ربیع کی زراعت جو تیار تھی خود برباد کر دی جب

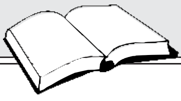
یہ کیفیت معلوم ہوئی تو فیروز شاہ نے دوسرے ملک سے غلہ خرید کر منگوالیا اور حملہ جاری رکھا، اتفاق سے چار ہزار آدمی غنیم کے گرفتار ہو کر آ گئے، اگر چہ اُن لوگوں نے شاہی فوج کو فاقے سے مارنے کی تدبیر کی تھی، مگر اس فیاض نے اُن کو خوب شکم سیر کھانا کھلایا۔

یہ بادشاہ تکلف اور اسراف کو بہت ناپسند کرتا تھا، خود بھی موٹے کپڑے عام آدمیوں کے سے پہنتا تھا، چاندی سونے کے ظروف اور جواہرات کے استعمال کی بھی ممانعت کر دی تھی، اس نے نگرکوٹ سے چند فاضل پنڈت بلوا کر سنسکرت کی بعض کتابوں کا ترجمہ فارسی زبان میں کرایا تھا، اس کو عمارتوں کا بھی بڑا شوق تھا؛ سرائیں، خانقاہیں، مسجد میں اکثر بنوائیں، آب پاشی کے لیے نہریں کھدوائیں، بے شمار باغات لگوائے کئی شہر آباد کیے؛ چناں چہ جونپور اس کا آباد کیا ہوا ہے۔ بعض حرکات اس کی ایسی تھیں کہ جو اس کے ضعیف عقل پر دلالت کرتی ہیں، مثلاً: فال، شگون اور خواب کی تعبیر کا بڑا معتقد تھا، اور اہل کاروں کی رشوت ستانی سے دیدہ و دانستہ چشم پوشی کرتا تھا۔

(۱۱) کوشش کیے جاؤ

دکاں بند کر کے رہا بیٹھ جو　　تو دی اس نے بالکل ہی لٹیا ڈبو
نہ بھاگو کبھی چھوڑ کر کام کو　　توقع تو ہے خیر جو ہو سو ہو
کیے جاؤ کوشش میرے دوستو!

جو پتھر پر پانی پڑے متصل　　تو گھس جائے بے شبہ پتھر کی سل
رہو گے اگر تم یونہی مستقل　　تو اک دن نتیجہ بھی جائے گا مل
کیے جاؤ کوشش میرے دوستو!



اگر طاق میں تم نے رکھ دی کتاب　　تو کیا دو گے کل امتحان میں جواب
نہ پڑھنے سے بہتر ہے، پڑھنا جناب　　کہ ہو جاؤ گے ایک دن کامیاب
کیے جاؤ کوشش میرے دوستو!

نہ تم ہچکچاؤ، نہ ہرگز ڈرو　　جہاں تک بنے کام پورا کرو
مشقت اٹھاؤ، مصیبت بھرو　　طلب میں جیو، بستی میں مرو
کیے جاؤ کوشش میرے دوستو!

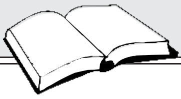
تم شیر دل ہو تو مارو شکار　　کہ خالی نہ جائے گا مردوں کا وار
مشقت میں باقی نہ رکھنا اُدھار　　جو ہمت کروگے تو بیڑا ہے پار
کیے جاؤ کوشش میرے دوستو!

جو بازی میں سبقت نہ لے جاؤ تم　　خبر دار ہرگزنہ گھبراؤ تم
نہ ٹھٹکو، نہ جھجکو، نہ پچھتاؤ تم　　ذرا صبر کو کام فرماؤ تم
کیے جاؤ کوشش میرے دوستو!

مقابل میں خم ٹھوک کر آؤ ہاں　　بچھڑنے سے ڈرتے نہیں پہلواں
کرو پاس تم صبر کا امتحاں　　نہ جائے گی محنت کبھی رائیگاں
کیے جاؤ کوشش میرے دوستو!

تردد کو آنے نہ دو اپنے پاس　　ہے بیہودہ خوف اور بے جا ہراس
رکھو دل کو مضبوط، قائم حواس　　کبھی کامیابی کی چھوڑو نہ آس
کیے جاؤ کوشش میرے دوستو!

کرو شوق و ہمت کا جھنڈا بلند　　کو داؤ اولو العزمیوں کا سمند
اگر صبر سے تم سہوگے گزند　　تو کہلاؤ گے ایک دن فتح مند
کیے جاؤ کوشش میرے دوستو!



(۱۲) نور جہاں بیگم

اس بیگم کا نام ''مہرالنسا خانم'' تھا، جب شہنشاہ جہاں گیر سے شادی ہوئی نورمحل اس کا لقب ہوا، پھر نورمحل سے نور جہاں خطاب پایا؛ چناں چہ آج تک اسی نام سے مشہور ومعروف ہے۔

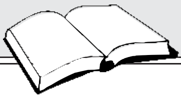
یہ بیگم ایران کے ایک معزز خاندان کی بیٹی تھی، ایک زمانے میں اس کا دادا ''خواجہ محمد'' شاہ ایران کا وزیر تھا، اس کے انتقال کے بعد اُس کے بیٹے مرزا ''غیاث'' کا ستارہ کچھ ایسا نحوست میں آیا کہ روٹیوں کا محتاج ہوگیا، آخر تنگ آ کر وطن کو ترک کیا، اور تلاشِ معاش کے لیے ہند کی جانب روانہ ہوا۔

اثنائے راہ میں ''قندھار'' کے قریب اُس کے ہاں یہ لڑکی پیدا ہوئی، اُس پر دو دن کا فاقہ تھا، ایسی مصیبت اور بے سامانی کی حالت میں ماں باپ کو اس کی پرورش دوبھر معلوم ہوئی، ناچار کلیجے پر پتھر رکھ اس لختِ جگر کو رستے میں ڈال آگے بڑھے، اُس وقت تو اس لڑکی کی ولادت ان کو منحوس معلوم ہوئی، مگر یہ خبر نہ تھی ایک دن یہ اقبال مند لڑکی ایک نامور عظیم الشان ملکہ ہند بنے گی۔

جب نور جہاں کے والدین اس کو جنگل میں چھوڑ کر آگے چلے تو پیچھے سے ایک قافلہ پہنچا، اور اس معصوم کو یوں جنگل میں پڑا دیکھ کر ایک سوداگر کو ترس آیا، وہ کفیلِ پرورش ہوا، اور اُس کی ماں ہی سے کچھ ماہوار طے کر کے دودھ پلانے اور پالنے پر مقرر کیا۔

غرض اس طور سے نور جہاں اور اُس کے ماں باپ ہند میں پہنچے، اور اسی سوداگر کے ذریعے سے جس نے لڑکی کی پرورش اپنے ذمے لی تھی، مرزا غیاث کی رسائی اکبر کے دربار تک ہوگئی، اُس کے بعد تھوڑے ہی عرصے میں نور جہاں کے باپ اور بھائی نے دربار شاہی میں بہت کچھ رسوخ حاصل کر لیا، اور اس کی ماں بے تکلف محل شاہی میں آنے جانے لگی۔

جب نور جہاں جوان ہوئی تو اکبر نے اُس کی شادی ایک ایرانی نوجوان "شیر افگن" سے کرادی، اور اُس کو "بردوان" کا حاکم مقرر کردیا مگر جہاں گیر کے عہد میں خود بادشاہ کے ایما سے شیر افگن مارا گیا، اور اُس کی بیوہ شاہی محل میں داخل ہوکر بادشاہ کی ماں کی مصاحب مقرر ہوئی، کچھ مدت کے بعد بادشاہ کے نکاح میں آئی اور ملکہ نور جہاں کہلائی۔



صورت اور سیرت کی خوبیوں کے علاوہ نہایت عاقل، ہوشیار اور سلیقہ مند عورت تھی اس نے بادشاہ کے مزاج کی بہت اصلاح کی تند خوئی اور غصے کو دھیما کیا، شراب کم کرادی، سلطنت کے کاروبار کو خود سنبھالا، روپیہ اور اشرفی کے سکے میں بادشاہ کے نام کے ساتھ اُس کا نام بھی شامل تھا؛ زیور، لباس اور کھانوں میں نئی نئی ایجادیں کیں؛ وہ بڑی شاعرہ، لطیفہ سنج اور حاضر جواب تھی؛ گھوڑے کی سواری اور فنون سپہ گری میں بھی اس کو خوب مہارت تھی۔

ایک روز بادشاہ مع بیگم کے شکارگاہ میں تھا، وہاں قراولوں نے چار شیر گھیر رکھے تھے، جس وقت شیر نظر آئے تو نور جہاں بیگم نے - جو ہاتھی کی عماری میں سوار تھی - بادشاہ سے التماس کیا: ''اگر حکم ہو تو میں اُن شیروں پر بندوق چلاؤں'' بادشاہ نے اجازت دی، اُن میں سے دو کو بندوق کی دو گولیوں سے گرا دیا، اور دو کا کام دو تیروں سے تمام کیا۔

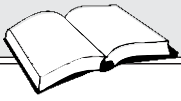
یہ پھرتی اور نشانہ بازی دیکھ کر بادشاہ کو بھی حیرت ہوئی، کہ چار نشانے پیہم لگائے جن میں سے ایک بھی خطا نہ ہوا، اُسی وقت بادشاہ کے حکم سے ہزار اشرفیاں نثار کی گئیں، اور ایک پہنچی الماس کی - جس کی قیمت ایک لاکھ روپے تھی - اس کام کے صلے میں بیگم کو مرحمت ہوئی۔

جب جہلم کے کنارے جہاں گیر بادشاہ کو 'مہابت خاں' نے قید کرلیا تھا، تو بیگم نے تمام سرداروں کو بلا کر لعنت ملامت کی کہ: '' تم نے اپنے جیتے جی اپنے آقا کو کیوں گرفتار ہو جانے دیا؟''۔

پھر تمام فوج کو ساتھ لے کر بادشاہ کی رہائی کے لیے مہابت خاں کی سپاہ پر حملہ کیا۔

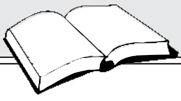
بیگم خود تیر و کمان لے کر ہاتھی کے ہودے میں بیٹھی، سب سے پہلے اپنا ہاتھی دریا میں ڈالا، اور لڑتی بھڑتی خیمہ گاہ تک پہنچی؛ مگر بدقسمتی سے اُس کی فوج نے شکست کھائی، تمام سردار اور سپاہی بھاگ گئے، یہ حال دیکھ کر خود بھی بادشاہ کے پاس قید میں چلی گئی، اور وہاں پہنچ کر اپنی دانش مندی سے ایسا سے ایسا بندوبست کیا، کہ بادشاہ کو مہابت خاں کی قید سے صاف چھڑا لیا۔

جب جہاں گیر مر گیا اور اس کے سہاگ بھاگ کا زمانہ ختم ہوا، تو بارہ برس سوگ کی حالت میں کاٹے، اور بعد انتقال بمقام لاہور اپنے شوہر کے پہلو میں مدفون ہوئی۔



(۱۳) دو مکھیاں

ایک مکھی کہ ہے بڑی احمق	فکرِ انجام اُسے نہیں مطلق
کوتہ اندیش، لالچی، ناداں	دیتی پھرتی ہے مفت اپنی جاں
گرمی شیرے پہ حرص کے مارے	پاؤں اور پر لِتھڑ گئے سارے
آنکھ اس کے ہیے کی پھوٹ گئی	اکھڑے باز و تو ٹانگ ٹوٹ گئی
آخرش پھنس کے رہ گئی مکھی	کیا حماقت کی چاشنی چکھی!
ایک مکھی ہے سخت دور اندیش	سوچ لیتی ہے کام کا پس و پیش
اس پہ غالب نہیں ہو ہَوسناکی	گرم پرواز ہے بہ چالاکی
کہیں مصری کی جب ڈلی پائی	تو بہ آہستگی اتر آئی
گرچہ اس کام میں لگی کچھ دیر	چاٹ کر ہوگئی مگر وہ سیر
سیر ہوتے ہی اڑ گئی پھُر پھر	دور بینی کا اُس کو یاد ہے گرُ
کس مزے سے گزارتی ہے دن	شکر کا گیت گاتی ہے بھن بھن



(۱۴) کوئلے کی کان

بعض ملکوں میں کان کھود کر ایک قسم کا کوئلہ نکالا جاتا ہے جو پتھر کا کوئلہ مشہور ہے؛ لیکن حقیقت میں وہ پتھر نہیں؛ بلکہ نباتات کی قسم سے ہے، یورپ اور امریکہ کی اکثر ولایتوں میں یہ کوئلہ نکلتا ہے، مگر نہایت عمدہ قسم کا کوئلہ انگلستان کا ہوتا ہے، انگلستان کے لیے اس کوئلے کی کان گویا دولت کی کان ہے، تمام دُخانی کلوں کے کارخانے اور دُخانی کشتیاں اس کے وسیلے سے جاری ہیں، اور چوں کہ وہ سرد خطہ ہے اس لیے کھانا پکانے اور مکان کو گرم رکھنے کے لیے بھی یہ کوئلہ کام دیتا ہے۔

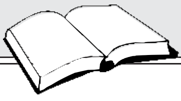
کوئلے کی کان کو کھودنے کو بڑی عقل وحکمت درکار ہے، کلوں کے وسیلےسے کھودا اور نکالا جاتا ہے، اول ایک گہرا غار کوئلے کے مخزن تک کھودتے ہیں، پھر وہاں کا پانی کل کے وسیلے سے نکال کر باہر پھینک دیتے ہیں، اس کے بعد کوئلہ کھدنا شروع ہوتا ہے، بیچ میں کوئلے کے ستون چھوڑتے جاتے ہیں تا کہ اوپر کی زمین بہ طور چھت کے قائم رہے ستون ایک دوسرے کے محاذی اور برابر فاصلے پر ہوتے ہیں۔

جب دور تک اندر ہی اندر کان کھد جاتی ہے تو نہایت خوب صورت گھر کے مانند معلوم ہوتی ہے، تمام کوئلہ ایک ہی جگہ نہیں ملتا؛ بلکہ اس کی شاخیں اطراف زمین میں پھیلی ہوئی ملتی ہیں؛ اس لیے کان کے اندر مختلف سمتوں میں ستون اور حجرے بن جانے سے ایک بڑا شہر سا معلوم ہوتا ہے۔

کان کے اندرونی رستے نہایت تیرہ وتار ہوتے ہیں، وہاں نہ روز روشن کا اثر ہوتا ہے، نہ شبِ ماہ کی خبر، ہر دم اندھیرا گھپ رہتا ہے؛ اس لیے کام کرنے کے مقامات پر جا بجا روشنی کا اہتمام رکھتے ہیں۔

جب کان دور تک پہنچ جاتی ہے تو کوئلہ بیلوں اور گھوڑوں کے ذریعے سے اُس کے دہانے تک پہنچایا جاتا ہے، انھیں ستونوں کے اندر لدے لدائے جانور آتے جاتے ہیں، زمین کے نیچے ہی گھوڑے بیلوں کے لیے اصطبل اور تھان بناتے، اور وہیں ان کے لیے دانہ چارہ پہنچاتے ہیں، صرف ہفتے کے روز جانوروں کو تعطیل ملتی ہے۔

کان کے اندر کی ہوا نہایت خراب ہوتی ہے؛ اس لیے تازہ ہوا کل کے ذریعے اوپر سے پہنچائی جاتی ہے، تھوڑی دور تک اس کے اندر چراغ لے جاسکتے ہیں؛ مگر زیادہ اندر کی طرف چراغ یا آگ جائے تو ہوا مشتعل ہو کر تمام کان کو اُڑا دے، اور جو اُس کے اندر ہو اُس کی وہیں قبر بنادے۔



کبھی کبھی آتش زدگی کا حادثہ بھی ہو جاتا ہے، اس وقت بڑا دھماکہ ہوتا ہے، اور بہت سے کام کرنے والے دب کر مر جاتے ہیں؛ زمانہ سابق میں ایسے حادثے اکثر ہوا کرتے تھے مگر اب تو مدت سے ایک قسم کی محفوظ لالٹین خاص کان کے اندر کام کرنے کے لیے ایجاد ہوگئی ہے، جس میں آگ لگ جانے کا اندیشہ نہیں۔

ہندوستان میں بھی ضلع بردوان وسلہٹ کے علاقے میں کافی کوئلہ نکلتا ہے، جو ریل کے انجنوں میں جلایا جاتا ہے، اگر یہ قدرتی کوئلہ نہ ملتا تو لکڑی بہت ہی گراں ہو جاتی، غرض کوئلہ بھی ایک قدرتی دولت ہے جو تہِ زمین کے اندر دھات اور جواہرات کی طرح مدفون ہے۔

(۱۵) دمدار ستارے

کبھی کبھی آسمان میں دمدار ستارہ نظر آتا ہے، جس کو دیکھ کر عام لوگ خوف کرتے اور اپنی خام خیالی سے اس کو قحط، وبا یا انقلابِ حکومت یا کسی ایسے ہی بڑے حادثے کا موجب سمجھتے ہیں۔

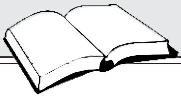
ستارہ شناسوں نے دریافت کیا ہے کہ اس قسم کے ستارے آفتاب کے احاطے میں ۴۵۰ کے قریب ہیں، جو کبھی تو آفتاب کے نہایت قریب سے گزرتے ہیں؛ گویا اس کے اندر داخل ہو جائیں گے، اور کبھی نہایت دور فاصلے پر نکل جاتے ہیں۔

ان کے ساتھ ایک نورانی دم لگی رہتی ہے، جو آفتاب کی حرارت سے پیدا ہوتی ہے؛ اس لیے جب وہ قریب آفتاب کے پہنچتے ہیں تو دُم بڑی نظر آتی ہے، اور جس قدر دوری ہوتی جاتی ہے اُسی قدر دُم کا حجم گھٹتا جاتا ہے۔

ان کی روشنی ذاتی نہیں؛ بلکہ وہ سورج کی روشنی سے چمکتے نظر آتے ہیں، ان کا دورہ بھی مدتہائے دراز کے بعد ہوتا ہے، بعض دمدار ستارے سوسوا سو سال بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصے کے بعد نظر آتے ہیں۔

بعض علمائے ہیئت نے دمدار تاروں کی نسبت بڑی تحقیقات کی ہے، اور اُن میں سے بعض کے طلوع وغروب کا ٹھیک زمانہ بھی معلوم کر لیا ہے۔

غرض ساحت افلاک میں جتنے اجرام انسان کو نظر آتے ہیں، اُن تمام میں زیادہ تعجب خیز اور حیرت انگیز یہ ہی دمدار ستارے ہیں؛ مگر لوگوں نے جو بُرے آثار ان سے منسوب کر رکھے ہیں وہ نرا وہم ہے، جس کی اصل کچھ نہیں۔



(۱۶) اشعارذوق

کسی بے کس کو اے بے داد گر! مارا تو کیا مارا
جو آپ ہی مر رہا ہو اس کو گر مارا تو کیا مارا

نہ مارا آپ کو جو خاک ہو اکسیر بن جاتا
اگر پارے کو اے اکسیر گر! مارا تو کیا مارا

بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا
نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا

ہنسی کے ساتھ یاں رونا ہے مثل قلقلِ مینا
کسی نے قہقہہ اے بے خبر! مارا تو کیا مارا

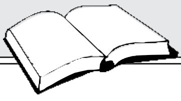
گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے میں
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

دل بد خواہ میں تھا مارنا یا چشم بد بیں میں
فلک پر ذوق تیر آہ گر مارا تو کیا مارا

(۱۷) قوت کہربائی یا برق یا بجلی

مکتبوں میں بعض لڑکے یہ کھیل کھیلا کرتے ہیں، کہ کبوتر یا کسی اور جانور کا تازہ پر لے کر اس کو تختی یا سلیٹ پر رکھتے ہیں، ایک ہاتھ سے اُس کی ڈنڈی دبا کر دوسرے ہاتھ کی انگلیاں جلدی جلدی اُس کے اوپر چند بار رگڑتے ہیں، ایسا کرنے سے پر کا رواں رواں کھل جاتا ہے۔

اُس وقت ایک باریک سوت کا ٹکڑا تھوڑی دور سے اس پر کو دکھائیں تو وہ دوڑ کر اس کو چمٹ جاتا ہے، اگر اس



حالت میں پر کو دیوار سے لگا دیں تو اُس کا ہر ایک ریشہ دیوار کو پکڑ لیتا ہے۔

تم شیشے کو اون کے کپڑے یا خشک ہاتھ پر رگڑ کر سوت یا کاغذ کا ہلکا سا ٹکڑا اُس کے قریب لاؤ، تو وہی تماشا نظر آئے گا جو پَر کے رگڑنے سے نظر آیا تھا، یہی قوت مقناطیس میں ہوتی ہے جو لوہے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔تم یہ تماشا دیکھ کر غالباً تعجب کرو گے، کہ یہ کیسا طلسم اور کیسا شعبدہ ہے!

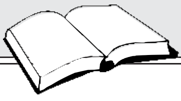
حقیقت میں نہ تو یہ طلسم ہے اور نہ شعبدہ؛ بلکہ ایک قدرتی خاصہ ہے جس سے تم ناواقف ہو، اس کو قوت کہربائی یا برق یا بجلی کہتے ہیں۔اہل تحقیق نے دریافت کیا ہے کہ زمین و ہوا اور تمام اشیا کے اندر- جو اُن میں ہیں-ایک نہایت لطیف چیز پھیلی ہوئی ہے؛ لیکن ہر چیز میں وہ ظاہر نہیں ہوتی؛ بلکہ بعض چیزوں میں کبھی کبھی اُس کا جلوہ بڑی چمک دمک سے نظر آتا ہے۔

برق کے خواص میں سے ایک یہ بھی ہے، کہ اگر وہ ایک شے میں زیادہ اور دوسری میں کم ہو اور وہ دونوں چیزیں متصل ہو جائیں، تو فوراً ایک میں سے نکل کر وہ دوسری میں داخل ہوتی ہے؛ تاکہ دونوں جسموں میں اُس کی مقدار مساوی ہو جائے، جب اُس کی موج رواں ہوتی ہے تو ایک چیز سے دوسری میں سرایت کرتی ہے، اُس وقت ایک تیز روشنی اور مہیب آواز پیدا ہوتی ہے۔دو ایسے بادل جن میں برق کم و بیش ہو، جب قریب ہوتے ہیں تو تم چمک اور کڑک معلوم کرتے ہو، جس وقت بجلی ابر سے زمین کی کسی چیز میں یا زمین کی چیز سے بادل میں داخل ہوتی ہے، تو یہی تماشا اس وقت بھی ظہور میں آتا ہے۔اس قوت کی خاصیتیں زیادہ تر اسی صدی میں دریافت ہوئی ہیں، اور ان کے معلوم ہو جانے سے چند ایسی مفید اختراعات ہوئی ہیں جو انسان کے لیے بغایت کارآمد ہیں، تار برقی کا سا جال جواب دنیا کے اکثر حصوں میں پھیلا ہوا ہے، اور جس کے ذریعے سے دم دم کی خبریں دور دراز ملکوں کی معلوم ہو جاتی ہیں، وہ اسی قوت کی برکت کا ظہور ہے۔

ایک اور آلہ ایجاد ہوا ہے جس کی وساطت سے سیکڑوں کوس تک آواز پہنچ جاتی ہے، اور باہم بات چیت ہو سکتی ہے۔

ایک اور آلہ ہے جس کے وسیلے سے آدمی کے الفاظ بجنسہٖ محفوظ رہتے ہیں، جب چاہو اس میں سے وہی بات سن لو جو برسوں پہلے کہی گئی تھی بعض بیماریوں کے معالجے میں بھی قوت برقی سے کام لیا جاتا ہے۔

غرض قدرتی خزانے انھیں معمولی چیزوں میں دبے پڑے ہیں، جس قدر انسان اُن سے وقوف و شعور حاصل کرتا ہے اُسی قدر فیض و فائدہ اٹھاتا ہے۔



(۱۸) اشعار رند

ہیں یہ سارے جیتے، جی کے واسطے
کون مرتا ہے کسی کے واسطے

آدمی سہتا ہے کیا کیا ذلتیں
نفس مردودِ شقی کے واسطے

کیوں دیے ہیں تو نے قسام ازل
رنج لاکھوں ایک جی کے واسطے

غم نے اس درجہ کیا دل میں ہجوم
جا نہیں ہے خرمی کے واسطے

رنج و اندوہ و ملال و درد و غم
صدمے ہیں یہ آدمی کے واسطے

بے کسی میرے لیے پیدا ہوئی
میں بنا ہوں بے کسی کے واسطے

کیجیے ہردم عبث تن پروری
اے اجل! کس زندگی کے واسطے

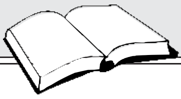
(۱۹) کفایت شعاری

بعض آدمیوں کو اپنے بزرگوں کی میراث اس قدر مل جاتی ہے، کہ وہ اُس کی آمدنی سے بغیر محنت کیے اپنا گزارہ بخوبی کر سکتے ہیں؛ لیکن دنیا میں زیادہ تر ایسے آدمی ہیں جو اپنی ذاتی محنت کی اجرت سے بسر کرتے ہیں۔

میراث کی آمدنی یا اپنی محنت کی اجرت سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، جو نیک چلن اور دور اندیش ہوتے ہیں؛ کیوں کہ نیک چلنی انسان کو معاش پیدا کرنے پر آمادہ کرتی اور دور اندیشی خرچ کرنے کا طریقہ سکھاتی ہے۔

دور اندیش آدمی آمد اور خرچ کو اپنی نظر میں رکھتا ہے، وہ آگے اور پیچھے دونوں طرف دیکھتا رہتا ہے، وہ بے ضرورت خرچ کرنے کو سخت گناہ جانتا ہے، اگر آمدنی کم ہوتی ہے تو اپنی ضرورتوں کو مختصر کر دیتا ہے، حتی الامکان کچھ نہ کچھ بچاتا ہے؛ تا کہ بے کاری، بیماری، قحط اور اتفاقی ضرورتوں کے وقت کام آئے، وہ موقع پر دوسرے کی دست گیری کرتا ہے، ایسا آدمی کفایت شعار کہلاتا ہے۔

جو اشخاص کم فہم اور کوتہ اندیش ہیں وہ آگا پیچھا کچھ نہیں دیکھتے، نہ آمد کی خبر رکھتے ہیں نہ خرچ کی، وہ ضروری



اور فضول کاموں میں کچھ تمیز نہیں کرتے، صرف موجودہ حالت کو دیکھتے ہیں، بچوں کی طرح اپنی ہواؤ ہوس پوری کرنے پر آمادہ رہتے ہیں، اتفاقی ضرورتوں کے واسطے کچھ نہیں بچاتے؛ اس لیے بہت جلد مصیبتوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں، ایسے لوگ فضول خرچ یا مسرِف کہلاتے ہیں۔

کفایت شعاری اختیار کرنے اور فضول خرچی سے بچنے کے لیے چند باتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں:

۱۔ اپنی آمد وخرچ کا حساب رکھو۔

۲۔ بے جا خرچ سے فوراً ہاتھ روک لو۔

۳۔ کوئی شے کیسی ہی ارزاں ہو- بلاضرورت ہرگز نہ خریدو-

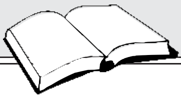
۴۔ جو خرچ محض شیخی جتانے، فخر کرنے اور اترانے کی غرض سے کیے جاتے ہیں ان میں ایک خرمہرہ کا اٹھا دینا بھی گناہ سمجھو۔

۵۔ جو کچھ خریدو نقد داموں سے خریدو، قرض کے طور پر کوئی چیز ہرگز نہ لو، اگرچہ تھوڑی دیر کے واسطے ہو۔

غریب آدمی جو اپنی محنت کی اجرت سے گزران کرتے ہیں، اگر وہ کفایت شعاری کے طریقے پر چلتے اور اپنی آمد میں سے کچھ پس انداز کرتے رہتے ہیں، تو ایک دونسلوں کے بعد اُن کی اولاد اچھی خاصی دولت مند بن جاتی ہے؟

اسی طرح جو دولت مند فضول خرچی کی بلا میں مبتلا ہو جاتے ہیں، وہ بہت جلد مفلس اور تہی دست ہو کر گداگری یا بدمعاشی کرنے لگتے ہیں۔

اکثر غریب آدمی ایسے ہیں جو کفایت شعاری کر کے کچھ پس انداز کر سکتے ہیں؛ مگر اُس کے محفوظ رکھنے کا موقع ان کو میسر نہیں، ایسے لوگوں کی آسانی کے واسطے سرکار نے ہر ڈاک خانے میں امانت رکھنے کا انتظام کر دیا ہے؛ کم سے کم چار آنے تک وہاں جمع ہو سکتے ہیں، جمع کی ہوئی رقم میں جب چاہو واپس لے سکتے ہو، روپے جمع کرنے والے کو ایک کتاب مل جاتی ہے، اس میں وصول باقی کا حساب لکھا جاتا ہے۔



(۲۰) حکایت

ایک مچھر جاڑے کی فصل میں سردی اور فاقے کی تکلیف سے عاجز آ کر شہد کی مکھیوں کے پاس بھیک مانگنے گیا، اور نہایت منت وزاری سے کہنے لگا: اے خوش قسمت مکھیو! خدائے تعالیٰ نے تم کو خالص شہد کا اتنا ذخیرہ عطا کیا ہے کہ مزے سے بیٹھی نوش کرتی ہو، اگر دو چار قطرے اس بے نوا، عاجز کو خیرات کے طور پر دے دوگی تو تم کو بڑا ثواب ہوگا۔

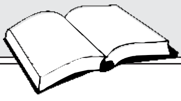
شہد کی مکھیوں میں سے ایک مکھی نے پوچھا: میاں مچھر! بہار کی فصل میں تم نے اتنی معاش کیوں نہ پیدا کی جو خزاں کے موسم میں تمھارے کام آتی، اور یوں در بہ در بھیک مانگتے نہ پھرتے۔ مچھر نے جواب دیا: بی مکھی میں نے سخت غفلت کی کہ بہار کا سارا موسم رقص وسرود اور عیش ونشاط میں صرف کر دیا، جاڑے کی مصیبت کا کچھ خیال نہ کیا، اب حسرت کے سوا کچھ علاج نہیں۔

ے دن عیش کے گھڑیوں میں گزر جاتے ہیں کیسے ایام مصیبت کے تو کاٹے نہیں کٹتے

مکھی نے کہا: ہمارا طور طریق اور تمھارا اور؛ ہم گرمی کے موسم میں نہایت محنت مشقت سے جاڑے کے واسطے ذخیرہ جمع کرتے ہیں، ایک لمحہ بے کار نہیں کھوتے، جب سخت جاڑا پڑتا ہے اور درختوں کے پتے تک جھڑ جاتے ہیں ہم آرام واطمینان سے بیٹھے اپنے چھتے میں شہد کھایا کرتے ہیں، نہ فاقہ کرتے ہیں، نہ کسی کا احسان اٹھاتے ہیں؛ تم نے کام کے دن گانے بجانے میں گنوا دیے؛

اس لیے آج گدائی کرتے اور مصیبت بھرتے ہو۔

جنھیں دی ہے خدا نے عقل دانا ہے اُن کو آج ہی سے فکر کل کی
مسافر چل پڑا جو آخرِ شب تو ہو جاتی ہے منزل اُس کی ہلکی



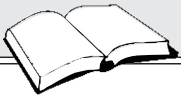
(۲۱) آم کی تعریف

کیوں درختوں میں نہ ہو وہ سر بلند	اُس کا پھل شاہ و گدا کو ہے پسند
ہند کے سب میووں کا سردار ہے	رونق ہر کوچہ و بازار ہے
جو صفاہانی اُسے اک بار کھائے	میوے صفاہاں کے سبھی بھول جائے
اور مٹھائی جو کبھو اک ذری	کھائے اک بار تو پھر جائے جی
آم میں اک حلاوت ہے عجب	رہتی اُس کی تو ہمیشہ ہے طلب
پیٹ بھرے، جی نہ پر اُس سے بھرے	آدمی پھر کھائے نا تو کیا کرے
ہوتا ہے شیریں تو بہت پال کا	لیک ہے ٹپکے کا بھی طرفہ مزا
میووں میں ہے فوقیت اُس کے تئیں	باغ میں پھر کیوں نہ ہو بالا نشیں
شوخ یہ سیند دوریے کا رنگ ہے	سیپ سمر قند بھی یاں دنگ ہے
میووں میں ہے بس وہی ہر دل عزیز	سیب غلام اُس کا بہی اُس کی کنیز

(۲۲) محنت سونے سے بہتر ہے

ایک زمانے میں یورپ کے باشندے جنوبی امریکہ کو اس مدعا سے جایا کرتے تھے، کہ کانہائے سیم وزر کے کھودنے میں اپنی قسمت آزمائی کریں، یہی ہوس ملکِ اسپین کے ایک باشندے کو دامن گیر ہوئی، اول اپنے بڑے بھائی سے اپنا منصوبہ بیان کیا، اور اِصرار کے ساتھ درخواست کی: کہ آپ میرے ہمراہ چلیں، جو دولت ہاتھ آئے گی بہ حصہ مساوی باہم تقسیم کرلیں گے۔

بڑا بھائی نہایت قانع اور دور اندیش آدمی تھا، اس نے تمام نشیب وفراز کو سمجھا کر کہا کہ: ''اس راہ میں کامیابی کی توقع بہت کم ہے''، لیکن چھوٹے بھائی پر جب اپنی نصیحت کا کچھ اثر نہ دیکھا تو ناچار اُس کی رفاقت پر آمادہ ہوگیا۔ اور



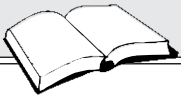
کہا کہ: ''میں تمھاری دولت میں شرکت نہیں چاہتا، مجھ کو صرف اتنی اجازت دو کہ کچھ اسباب و آلات اور میرے چند نو کر ساتھ چلیں'' اس نے یہ بات مان لی، اور جب اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ بڑا بھائی ساتھ چلے گا تو اس نے سفر کی تیاری شروع کر دی اور خوشی خوشی اپنا تمام مال و اسباب اور جائداد بیچ کھونچ کر ایک جہاز خریدا۔

جب یہ خبر مشہور ہوئی تو چند اور بوالہوس بھی جو اسی طرح مال و دولت کے حریص تھے اس کے ہم سفر بنے، بڑا بھائی بھی تمام آلاتِ کاشت کاری اور غلہ اور ترکاریوں کے تخم جو بوریوں میں بند تھے لایا، اور اپنے چند ملازموں سمیت اس کے جہاز پر جا سوار ہوا؛ اگر چہ اس انگڑ کھنگڑ کا لے جانا چھوٹے بھائی کو محض فضول نظر آتا تھا؛ مگر اُس اقرار کے بہ موجب جو پہلے ہو چکا تھا عذر و انکار مناسب نہ سمجھا۔

اب جہاز روانہ ہوا، اور خدا کے فضل سے ہوا ایسی موافق آئی کہ بغیر کسی حادثہ اور مصیبت کے اُس بندرگاہ پر جا لگا جہاں کا عزم کر کے چلے تھے، سب مسافر بخیر و عافیت خشکی میں اترے، بڑے بھائی نے کچھ بھیڑیں اور بیل خریدے، اور مع اپنے نوکروں اور آلات و اسباب کے ایک عمدہ قطعہ اراضی میں- جو ساحل بحر سے ملحق تھا- قیام کیا، اور چھوٹے بھائی سے کہہ دیا کہ: ''میں یہاں نہ تو بود و باش کرنے آیا ہوں، نہ دولت کی طمع مجھ کو لائی ہے؛ بلکہ صرف تمھاری رفاقت کی غرض سے آیا ہوں، جب تم سونا لے کر آ جاؤ گے تو میں تمھارے ساتھ وطن کو واپس چلوں گا''۔

سونے کے مشتاقوں نے کان کھودنے والے مزدور نوکر رکھے، اور سب سامانِ ضروری مہیا کر کے اُس نواح کا قصد کیا جہاں سونا نکلتا تھا، اَثنائے سفر میں چھوٹا بھائی بڑے بھائی کی سمجھ پر افسوس کر کے اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ: ''دیکھو! حضرت نے بیل اور بھیڑیں خریدی ہیں، پردیس میں آ کر کاشت کاری کا کھڑاک پھیلایا ہے، ہم تو اپنا عزیز وقت یوں اکارت کرنا پسند نہیں کرتے، اگر قسمت نے یاوری کی تو اتنا کما لائیں گے کہ کئی پشت تک کافی ہو گا''، سب رفیقوں نے اس کی فراست اور ہمت پر آفریں کی؛ لیکن ایک پیر مرد نے سر ہلا کر کہا: ''میاں تمھارا بھائی ایسا نہیں ہے جیسا تم خیال کرتے ہو، وہ نہایت عاقبت اندیش آدمی ہے''۔

غرض یہ قافلہ دریاؤں کو عبور کرتا، دشوار گذار دروں سے گذرتا سخت بارش اور تیز دھوپ کی تکلیفیں اٹھاتا، جا بہ جا کان زر کی جستجو میں پھرتا رہا؛ آخر ''جوئندہ یابندہ'' ایک جگہ سونا بہ اِفراط نکلا، اس کامیابی نے ایسا مسرور کیا کہ جس قدر کلفتیں اٹھائی تھیں سب فراموش ہو گئیں، مدت تک وہاں کام جاری رکھا، لیکن غلے کا ذخیرہ تھوڑا تھا؛ اس لیے خوراک میں کمی کرنی پڑی، اور جب غلہ بالکل نبڑ گیا تو بھی ان لوگوں نے دولت کی خوشی میں ہمت نہ ہاری، جنگل کی



جڑی بوٹی کھا کر دن کاٹے، اور جتنا سونا جمع کیا تھا اس کو لے کر بندرگاہ کی طرف جوں توں کر کے مراجعت کی لیکن فاقے کی صعوبت سے چند ہمراہی اثنائے راہ میں راہی عدم ہو گئے۔

اس عرصے میں بڑے بھائی نے اپنے نوکروں کی اعانت سے زراعت کا ڈول ڈالا، اس کی سعی و محنت نے ،جس کے ساتھ سلیقہ اور تجربہ بھی شامل تھا، اُس ویرانہ جنگل کو باغ و بہار اور لالہ زار بنا دیا، خدا کی اعانت سے فصل اچھی ہوئی، ہر جنس کا غلہ اور ہر قسم کی ترکاریاں اِفراط سے پیدا ہوئیں، بھیڑوں نے اتنے بچے دیے کہ ایک بڑا گلہ ہو گیا؛ دودھ مکھن اور پنیر کی کچھ کمی نہ رہی، اس کے نوکروں نے وقت فرصت میں سمندر کی مچھلیوں کا شکار کیا، اور نمک کھود کر کے ایک انبار جمع کر لیا۔

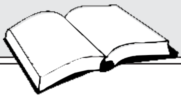
جب چھوٹا بھائی بڑے بھائی کے پاس پہنچا تو اُس کی اور اُس کے باقی ماندہ ہمراہیوں کی حالت بہت نازک تھی، دو روز سے فاقہ پر فاقہ کیا تھا، پہلی بات جو اس مصیبت زدہ گروہ نے کہی: وہ کھانے کا سوال تھا۔

بڑے بھائی نے ان کے واپس آنے سے خوشی تو ظاہر کی اور ان کو زندہ و سلامت پہنچنے کی مبارک باد بھی دی؛ مگر کھانے کا سوال سن کر ایسا روکھا جواب دیا جو رشتہ داری اور ہم وطنی ہی کے خلاف نہ تھا؛ بلکہ انسانیت اور خدا ترسی سے بھی ظاہر اً بعید معلوم ہوا، اُس نے کہا: ''سنو صاحبو! جب تمھاری دولت سے مجھے کو کچھ سروکار نہیں تو میری کمائی سے تم کو کیا واسطہ؟ جو دانہ دنکا میں نے اپنی قوت بازو سے پیدا کیا ہے میں کیوں مفت دوں؟ اگر تم کو ایسی ہی احتیاج ہے تو سونا دو اور کھانا لو''۔

اس کج خُلقی، نامہربانی اور بے رحمی پر ان لوگوں کو بڑا طیش آیا؛ مگر بھوک کے مارے لبوں پر دم آ رہا تھا، ناچار سونے کی ڈلیاں دے کر خریدا اور اپنی جان بچائی، اسی طور سے ہر روز خرید و فروخت کا معاملہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ ان کا تمام سونا حوائج ضروری کے بہم پہنچانے میں صرف ہو گیا۔

جب بڑے بھائی کو معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا سرمایہ سب ختم ہو چکا ہے، تو کہا: ''آج کل موسم اچھا ہے، ہوا بھی موافق چل رہی ہے، بہتر ہے کہ یہاں سے جہاز کا لنگر اٹھاؤ اور وطن پہنچ کر اہل وعیال کی خبر لو، خدا جانے اُن پر کیا گذری اور تمھارے انتظار میں اُن بے چاروں کا کیا حال ہوا''۔

چھوٹے بھائی نے نہایت ملال ہو کر جواب دیا کہ: ''جو کچھ اپنی جان کھپا کر اور صعوبتیں اٹھا کر ہم نے کمایا، وہ تو سب کا سب آپ کی نذر کر چکے، اب خالی ہاتھ کیا جائیں اور یگانوں اور بے گانوں کو کیا منہ دکھائیں، اور تم جیسے سنگ



دل آدمی کے ساتھ جانے سے تو یہیں مر رہنا بہتر معلوم ہوتا ہے''۔ یہ رنج آمیز اور مایوسانہ باتیں سن کر بڑا بھائی ہنستا ہوا اٹھا، اور سارا سونا لا کر چھوٹے بھائی اور اُس کے ساتھیوں کے حوالے کر دیا، اور کہا: لو تمھاری دولت تم کو مبارک ہو، میں اس کا خواستگار ہرگز نہیں ہوں، جو بے مروتی اور کج ادائی میں نے برتی اُس میں یہ مصلحت تھی کہ تم اپنی غلطی سے متنبہ ہو جاؤ، اور ہمیشہ اس نصیحت کو یاد رکھو کہ: ''محنت سونے سے بہتر ہے''۔

آخر کار سب لوگ خوش و خرم اپنے وطن کو روانہ ہوئے، چھوٹے بھائی نے گھر پہنچ کر چاہا کہ اپنے سونے میں سے نصف حصہ بڑے بھائی کو دے، مگر اس عالی ہمت نے پھر وہی جواب دیا: ''محنت سونے سے بہتر ہے''۔

(۲۳) بارش کا پہلا قطرہ

گھنگور گھٹا تُلی کھڑی تھی — پر بُوند ابھی نہیں پڑی تھی

ہر قطرے کے دل میں تھا یہ خطرہ — ناچیز ہوں میں غریب قطرہ

تر مجھ سے کسی کا لب نہ ہوگا — میں اور کی گوں نہ آپ جو گا

کیا کھیت کی میں بجھاؤں گا پیاس — اپنا ہی کروں گا ستیا ناس

آتی ہے برسنے سے مجھے شرم — مٹی پتھر تمام ہیں گرم

خالی ہاتھوں سے کیا سخاوت — پھیکی باتوں میں کیا حلاوت

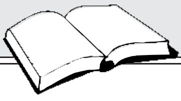
کس بِر تے پہ میں کروں دلیری — میں کون ہوں، کیا بساط میری

ہر قطرے کے دل میں تھا یہی غم — سرگوشیاں ہو رہی تھیں باہم

کھچڑی سی گھٹا میں پک رہی تھی — کچھ کچھ بجلی چمک رہی تھی

اک قطرہ کہ تھا بڑا دلاور — ہمت کے محیط کا شناور

فیاض و جواد و نیک نیت — بھڑ کی اس کی رگ حمیت



بولا للکار کر کہ: ’’آؤ‘‘ ! میرے پیچھے قدم بڑھاؤ

کر گزرو جو ہو سکے کچھ احسان ڈالو مردہ زمین میں جان

یارو! یہ ہچر مچر کہاں تک اپنی سی کرو بنے جہاں تک

مل کر جو کرو گے جانفشانی میدان پہ پھیر دو گے پانی

کہتا ہوں یہ سب سے برملا میں آتے ہو تو آؤ‘‘ لو چلا میں ‘‘

یہ کہہ وہ ہو گیا روانا دشوار ہے جی پہ کھیل جانا

ہر چند کہ تھا وہ بے بِضاعت کی اُس نے مگر بڑی شجاعت

دیکھی جرات جو اُس سخی کی دو چار نے اور پیروی کی

پھر ایک کے بعد ایک پکا قطرہ قطرہ زمیں پہ ٹپکا

آخر قطروں کا بندھ گیا تار بارش لگی ہونے موسلا دھار

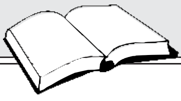
پانی پانی ہوا بیاباں سیراب ہوئے چمن خیاباں

تھی قحط سے پائمال خلقت اس مینھ سے ہوئی نہال خلقت

جرات قطرہ کی کرگئی کام باقی ہے جہاں میں آج تک نام

اے صاحبو! قوم کی خبر لو قطروں کا سا اتفاق کرلو

قطروں ہی سے ہوگی نہر جاری چل نکلیں گی کشتیاں تمھاری



(۲۴) اچھا زمانہ آتا ہے

تنے گا مسرت کا اب شامیانہ
بجے گا محبت کا نقار خانہ
حمایت کا گائیں گے مل کر ترانہ
کرو صبر، آتا ہے اچھا زمانہ

نہ ہم روشنی دن کی دیکھیں گے لیکن
چمک اپنی دکھلائیں گے اب بھلے دن
رکے گا نہ عالم ترقی کیے بن
کرو صبر، آتا ہے اچھا زمانہ

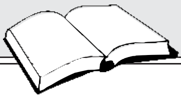
زبان قلم سیف پر ہوگی غالب
دبیں گے نہ طاقت سے پھر حق کے طالب
کہ محکوم حق ہوگا دنیا کا قالب
کرد صبر، آتا ہے اچھا زمانہ

زمانہ نسب کو نہ پوچھے گا ہے کیا
مگر وصف ذاتی کا ڈنکا بجے گا
اسی کو بڑا سب سے مانے گی دنیا
کرو صبر، آتا ہے اچھا زمانہ

لڑائی کو انسان سمجھیں گے ڈائن
تفاخر پہ ہوگی نہ قوموں میں ان بن
مشیخت کی خاطر اُڑے گی نہ گردن
کرو صبر، آتا ہے اچھا زمانہ

عقیدوں کی مٹ جائے گی سب رقابت
مذاہب کو ہوگی تعصب سے فرصت
مگر ان کی بڑھ جائے گی اور طاقت
کرو صبر، آتا ہے اچھا زمانہ

کریں سب مدد ایک کی ایک مل کر
یہی بات واجب ہے ہر مرد وزن پر
لگے ہاتھ سب کا تو اُٹھ جائے چھپر
کرو صبر، آتا ہے اچھا زمانہ



(۲۵) نئی دنیا کا پانا

سمندر میں کشتیاں اور جہاز چلانا اور کنارے کے قریب سفر کرنا تو مدتہائے دراز سے جاری تھا؛ مگر ساحل کو چھوڑ کر بحرِ اعظم کی موجوں میں جہاز ڈالنے کی جرات کسی قوم کو نہ تھی؛ کیوں کہ اُس وقت تک بڑے سمندر کے اندر سمتوں کا پہچاننا اور منزلِ مقصود کا سُراغ لگانا کسی کو نہ آتا تھا۔

تیرھوی صدی عیسوی میں مقناطیس کی قوت کشش کا قدرتی راز انسان پر منکشف ہوا، اور اس کی بہ دولت قطب نما یا قبلہ نما ایک آلہ ایجاد ہو گیا، جس میں ایک سوئی کیل پر گھومتی ہوئی لگائی جاتی ہے، اور وہ مقناطیسی خاصیت سے۔ جس کا سبب کوئی نہیں جان سکتا۔ ہمیشہ قطب شمالی کی جانب مائل رہتی ہے۔

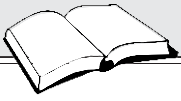
جب کہ قطب نما کی وساطت سے شمالی سمت ٹھیک ٹھیک معلوم ہونے لگی، تو باقی تین سمتوں کا دریافت ہونا کچھ مشکل نہ تھا، اس طرح فنِ جہاز رانی میں ایک نئی جان پڑ گئی، اور حق یہ ہے کہ اس ڈیڑھ انچ کے چھوٹے سے آلے کی ایجاد نے انسان کو اس بحرِ بے کراں کا مالک بنا دیا جو تین چوتھائی کُرۂ زمین پر محیط ہے۔

اول اول اٹلی کے ملاح اس قدرتی طلسم سے فائدہ اٹھاتے رہے، اور نہایت احتیاط کے ساتھ یہ راز سر بستہ اپنے خاص عزیزوں یا فرزندوں کو مخفی طور پر تعلیم کرتے رہے؛ تا کہ غیر قوموں کو اس کی ہوا نہ لگے؛ مگر کہاں تک اخفا کرتے! آخر کار دوسری قوموں کے عیار بھی لے اُڑے، اور یہاں تک یہ ہنر پھیلا کہ عام ہو گیا، پھر تو دِل چلے جہاز راں بڑے ذخار اور عمیق سمندروں کے طے کرنے کا حوصلہ کرنے لگے۔

اس خاصیت کے انکشاف سے دو صدی بعد ''نامور کولمبس'' سرزمین اٹلی کے شہر ''جنیوا'' میں پیدا ہوا، اور ہوش سنبھال کر پرتگیز ملاحوں کے ساتھ، جو اُس زمانہ میں اس فن کے استاد تھے، بحری سفر کے خوب خوب تجربے کیے۔

اُس زمانے میں ہندوستان کی بے شمار دولت، بیش بہا جواہرات اور زر و سیم کے خزانوں کی کہانیاں، اہل یورپ کے کانوں میں گونج رہی تھیں، اور ہر قوم کے عالی ہمت و بلند حوصلہ اشخاص ہندوستان کی تلاش وطلب میں بے تاب تھے، زمانے کی ہوا نے عالی حوصلہ ''کولمبس'' کے دل کو بھی اُبھارا، اور ہند کا سودا اس کے سر میں پیدا کر دیا۔

اس کو علم جغرافیہ کے قاعدوں سے یقین ہو گیا تھا، کہ زمین ایک مدور کرہ ہے؛ اس لیے مغرب کو سفر کریں خواہ مشرق کو، ہر طرف سے منزل مقصود تک رسائی ممکن ہے؛ اس کے علاوہ مغربی سمندر میں اِس نے کچھ ایسی لکڑیاں بھی



پائی تھیں جن سے صاف ظاہر ہوتا تھا، کہ اس بحرِاعظم کے پار ضرور کوئی سرزمین ہے؛ مگر علم وہمت اور استقلال کے سوا غریب ''کولمبس'' کے پاس کیا دھرا تھا؟ کہ وہ سفرِعظیم کے لیے جہازی بیڑا تیار کرسکتا؛ ناچار اس کو والیانِ ملک اور صاحبانِ تخت وتاج سے امداد کی التجا کرنی پڑی۔

اول اپنے ہی ملک کے بادشاہ سے درخواست کی؛ مگر کون سنتا تھا؟ پھر والیِ پرتگال سے، پھر فرماں روانِ برتانیہ سے مدد چاہی؛ مگر کہیں دال نہ گلی کیوں کہ اس عہد کے کم علم وزراء، امراء اس کے منصوبے کو سمجھ ہی نہ سکتے تھے۔

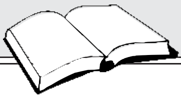
آخر کار شاہِ ہسپانیہ کو عرضی دی، ان دنوں شہر غرناطہ پر اہلِ اسلام سے اس کی جنگ ہو رہی تھی؛ اس لیے کچھ التفات اس وقت نہ ہوا، کچھ دنوں بعد- جبکہ بادشاہ فتح کی خوشیاں منا رہا تھا- اس کی درخواست پھر پیش ہوئی اور ملکہ ہسپانیہ کی سفارش اور فیاضی سے منظور بھی ہوگئی۔۲۳ ہزار روپیے سے اس نے تین جہازوں کا بیڑا تیار کیا، اور ۸ برس کی متواتر محنت کے بعد سامانِ سفر مہیار کر کے ۳/ اگست ۱۴۹۲ء کو اس والا ہمت، ذی حوصلہ، ناخدا نے خدا کے نام پر جہازوں کا بادبان کھولا، اور لنگر اٹھا کر مغربی سمت کو خاکِ ہند کی جستجو میں روانہ ہوا۔

جہاز رانی کا تمام کام اسی کی رائے وتدبیر اور اسی کے حکم پر موقوف تھا، وہ نہایت سرگرمی سے اپنے کام میں مشغول رہتا، نہ رات کو چین تھا نہ دن کو آرام، منزلِ مقصود کی دھن میں ٹھیک پچھّم کی طرف جہازوں کو اڑائے چلا جاتا تھ؛، مگر جہازیوں کو صحیح نہ بتاتا کہ کتنی مسافت طے ہوئی ہے۔

اکتوبر کی پہلی تاریخ تک اس نے چھ سو پچاس کوس قطع کیے؛ مگر ہمراہیوں کو چار سو نوے ہی بتائے، کنارے کا اب تک کچھ پتہ نشان نظر نہ آتا تھا، ایک بحرِ مواج وناپیدا کنار میں بڑھے چلے جاتے تھے، ناچار تمام جہازی گھبرا گئے اور بیم ہلاکت، وخوف تباہی ان کے دلوں پر ایسا چھایا کہ سب نے جہازوں کا رُخ وطن کی طرف پھیرنے کے لیے سخت اصرار کیا مگر واہ رے کولمبس تیرے ہمت اور استقلال! کہ باوجود اس شوروغوغا اور مزاحمت کے کبھی پست ہمتی کو پاس نہ پھٹکنے دیا، اور اپنے عزم بالجزام کے پورا کرنے پر نہایت دلیری سے ثابت قدم رہا۔

اس نے اپنے ہوش وحواس ہمیشہ بجا رکھے، بددل وغیر مستقل ساتھیوں کو کبھی نرمی سے تھپکتا کبھی گرمی سے جھڑکتا، اس تدبیر سے تھوڑی دیر کو لوگوں کا واولہ دب جاتا؛ مگر پھر ناامیدی اور خوف کا جوش وخروش ان کو بے قرار وبدحواس کر دیتا تھا۔

ایک دن جہاز والوں نے باہم سازش کی کہ'' یوں تو اس بلائے ناگہانی سے پیچھا چھوٹنا مشکل ہے، آو! منحوس



کولمبس کو پکڑ کر سمندر میں دھکیل دیں، اور جہازوں کو لے کر اپنے وطن کو مراجعت کریں'' جب اس نے دیکھا کہ لوگوں کے تیور بدلے ہوئے ہیں، نہ تو اب تشفی کام دیتی ہے، نہ غصے کا موقع ہے، تو ناچار ان سے عہد و پیمان کیا، کہ تین دن اور صبر کرو، پھر بھی ساحل نہ ملے تو البتہ مراجعت کریں گے۔

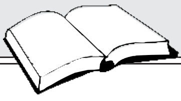
اس وقت بعض علامات سے اس کو اطمینان ہو چلا تھا کہ غالباً کوئی سرزمین قریب ہے؛ کیوں کہ سمندر کا عمق کم ہوتا جاتا تھا، اور میووں کے خوشے ہری شاخیں سطح آب پر دکھائی دینے لگی تھیں۔

غرض اکتوبر کی ۱۱/ تاریخ کو بہادر کولمبس نے حکم دیا کہ: ''جہازوں کے بادبان اتارو اس مژدے کے سنتے ہی سارے جہازیوں کی جان میں جان آ گئی، اور ہر شخص آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کنارے کی جانب امید بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا، آدھی رات کا وقت تھا کہ اس تاریکی میں کنارے کی آبادیوں کی روشنی نے یکا یک اُن کی مایوس آنکھوں کو منور کیا، فوراً اگلے جہازیوں نے جوشِ مسرت میں ایک نعرہ مارا، اور ''زمین زمین'' کہہ کر چلا اٹھے، کیا ہی جانفزا وہ صدا تھی جو ہوا اور سمندر کی موجوں میں گونجتی ہوئی پچھلے جہاز والوں کے کان میں پڑی، جس سے ہر شخص نے جان لیا کہ اب ہماری کشتیاں ساحل مراد پر آ لگی ہیں۔

صبح دم اِدھر اُدھر نگاہ ڈالی تو کوس بھر کے فاصلے پر ایک جزیرہ، اُس کے گھنے درخت اور سبزہ زار نظر آنے لگے، ہر شخص کا دل خوشی سے لبریز ہو گیا، سب نے کولمبس سے اپنی بے صبری، بے ادبی اور گستاخی کی معافی مانگی، چھوٹی کشتی دریا میں ڈالی گئی، اور کچھ لوگ سوار ہو کر کنارے کی جانب چلے، سب سے پہلے کولمبس ہی نے اس سرزمین پر قدم رکھا، اُس کے بعد اور لوگ اُترے، خدا کا شکر بجالائے، اور شاہ اسپین کے نام کا جھنڈا گاڑ دیا۔

اس جزیرے کے وحشی اور جنگلی آدمی ان گورے گورے نو واردوں کو دیکھ کر دنگ رہ گئے، انھوں نے خیال کیا کہ یہ جہاز اُڑانے والے جانور ہیں، بادبان ان کے پر ہیں، جہاز والوں نے جو توپیں داغیں تو بہت ڈرے، اس آواز کو بادل کی گرج اور روشنی کو بجلی کی چمک تصور کیا، ان آدمیوں کو سورج کی اولاد سمجھے اور خیال کیا کہ بالضرور یہ آسمان سے اترے ہیں۔

شام کے وقت کئی دیسی آدمی کشتی پر سوار کر کے جہاز کے پاس لائے گئے، انھوں نے چند قسم کا کھانا بہ طور ضیافت کولمبس کو نذر کیا، جس کے صلے میں پوتھوں کے ہار، چھوٹی چھوٹی گھڑیاں اور کچھ کم قیمت چیزیں ان کو دی گئیں، یہ پہلی ملاقات تھی جو نئی اور پرانی دنیا کے باشندوں میں 11 اکتوبر 1492ء کو ہوئی۔



(۲۶) ہندوستان کے پھول

ہے اس مملکت کی عجب گل زمیں — کہیں پھول یاں کے سے ہوتے نہیں

دل بستہ دیکھ ان کو ہو باغ باغ — جو سونگھے تو بھر جائے بُو سے دماغ

گندھے بن گندھے گر وہ محفل میں آئیں — تو مجلس کا عالم چمن کا بنائیں

کروں وصف کیا موگرے کا بیاں — کہ اک اک کلی اس کی ہے عطرداں

خوش آئند ہے نکہت رائے بیل — رہے بزم میں اس کی ہِت ریل پیل

بہت موتیا کی پیاری ہے بُو — ہر اک گل سے اس کی نیاری ہے بُو

نواڑی کی از بس کہ میٹھی ہے بُو — دلوں کو وہ مقبول کیوں کر نہ ہو

جدا سب سے ہے دو پہر یا کا رُوپ — کہاں اس کی رنگت کو لگتی ہے دھوپ

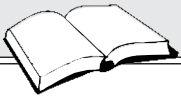
گلوں سے نرالا ہے گل چاندنی — چمن کا اُجالا ہے گل چاندنی

ہر اک گل کا ہے رنگ و عالم جدا — نہیں لطف سے کوئی خالی ذرا

جسے دیکھیے ہر طرح خوب ہے — طبیعت کو ہر اک کی مرغوب ہے

ہوئے سستے یوں تاکہ پہنے منگا — زنِ بے نوا و زن بادشاہ

جو عالم دکھاتے ہیں دمڑی کے پھول — وہ ہرگز نہ ہو موتیوں سے حصول



(۲۷) آسمان اور تارے

اگر تیری قدرت کی کاری گری
نہ کرتی سمجھ بوجھ کر رہبری

تو وہ سر پٹکتی ہی رہتی مدام
طلب میں بھٹکتی ہی رہتی مُدام

بنائی ہے تو نے یہ کیا خوب چھت
کہ ہے سارے عالم کی جس میں کھپت

سقفِ کہن ہے ابھی تک نئی
اسے دیکھتی یوں ہی دنیا گئی

زمیں پر گئیں کتنی نسلیں گزر
رہی اس کی ہیئت پر سب کی نظر

اسے سب نے پایا اسی ڈھنگ پر
اسے سب نے دیکھا اسی رنگ پر

عجب ہے یہ خیمہ، رسن ہے نہ چوب
ہمیشہ مصفا ہے بے رفت و روب

نہ در ہے نہ منظر، نہ کوئی شِگاف
اِدھر سے اُدھر تک ہے میدان صاف

کہیں جوڑ ہے اور نہ پیوند ہے
جدھر دیکھیے اس طرف بند ہے

عجب قدرتی شامیانہ ہے یہ
نظر کی پہنچ کا ٹھکانہ ہے یہ

بنایا ہے کیا دست قدرت نے گول
چُرس ہے نہ جُھری نہ سَلوٹ نہ جھول

یہ تارے جو ہیں آتے جاتے ہوئے
چمکتے ہوئے جگمگاتے ہوئے

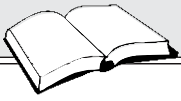
نظر آرہے ہیں عجب شان سے
ہیں لٹکے ہوئے سقف ایوان سے

چراغ ایسے روشن جو بن تیل ہیں
یہ تیری ہی قدرت کے سب کھیل ہیں

ہیں یہ لعل و گوہر جو بکھرے ہوئے
زمیں سے بھی ہیں ان میں اکثر بڑے

نظر میں جو اتنے سے آتے ہیں یہ
بہت دور چکر لگاتے ہیں یہ

جداگانہ رکھتے ہیں اپنا مدار
نہیں جانتا کوئی ان کا شمار



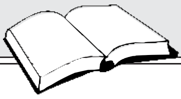
یہ قائم ہیں تیری ہی تقدیر سے ‏ — بندھے ہیں بہم سخت زنجیر سے
وہ زنجیر کیا ہے؟ کشش باہمی ‏ — نہ اس میں خلل ہو نہ بیشی کمی
عجب تو نے باندھی ہے یہ باگ ڈور ‏ — تُلا سب کا رہتا ہے آپس میں زور
یہ سب لگ رہے ہیں اسی لاگ پر ‏ — لگاتے ہیں چکر اسی باگ پر
ہراک کے لیے اک معین ہے دور ‏ — وہی اک وتیرہ وہی ایک طور
سدا چال کا ایک انداز ہے ‏ — نہ کھٹکا نہ آہٹ نہ آواز ہے
ہے ان سب کا آئینِ ایجاد ایک ‏ — ہنر ایک ہے اور استاد ایک
ہر اک چیز ذرے سے تا آفتاب ‏ — بلاشبہ رکھتی ہے یکساں حساب
ہیں ذروں میں خورشید کی سی صفات ‏ — ہے خورشید بھی ذرہ کائنات
حقیقت میں ہے یاں دورنگی کہاں؟ ‏ — جہاں ذرہ ہے، اور ذرہ جہاں

(۲۸) شیر شاہ سُوری

’’شیر شاہ‘‘ ہندوستان کے بادشاہوں میں ایک عظیم الشان بادشاہ گزرا ہے، جس نے ایک سپاہی کے درجے سے ترقی کر کے شاہی کا مرتبہ حاصل کیا تھا۔

اس کا دادا ’’ابراہیم خان سوری‘‘ تلاشِ معاش کے لیے ہندوستان میں وارد ہوا، اور مدت العمر ’’امرائے لودی‘‘ کی نوکریاں کرتا رہا، اس کا باپ ’’حسن خان‘‘ - جو ہندوستان ہی میں پیدا ہوا تھا - حسن لیاقت کی بہ دولت ابراہیم لودی کے عہد میں پانچ سو سواروں افسر مقرر ہوا، اور صوبہ بہار میں ’’سہسرام‘‘ کا پرگنہ اس کو بہ طور جاگیر کے مل گیا۔

’’فرید خان‘‘ - جو آئندہ شیر شاہ کہلائے گا - عالم جوانی میں باپ کی سختیوں سے ملول ہو کر سہسرام سے جونپور چلا



گیا، اور وہاں تحصیل علم میں مصروف رہ کر علم ادب اور تواریخ میں اس نے بڑی مہارت پیدا کی، آخر منا پر جا کر باپ نے بلا لیا اور جاگیر کے کاموں کا انصرام اس کے سپرد کیا، اس ہونہار نے ایسا عمدہ انتظام کیا کہ رعایا خوش حال اور باپ کا خزانہ مالا مال ہو گیا، باپ کی وفات کے بعد ابراہیم لودی کے حکم سے یہ جاگیر خود اس کے نام ہو گئی۔

تھوڑے ہی عرصے بعد ایک انقلاب عظیم واقع ہوا، ابراہیم لودی مارا گیا۔

''بابر'' فتح یاب ہوا، صوبہ دار بہار خود مختار بادشاہ بن بیٹھا، اب فرید خاں بہار کے نئے بادشاہ کا ملازم ہو گیا، ایک روز تلوار سے شیر کا شکار کیا، اس دلاوری کے صلے میں ''شیر خاں'' کا خطاب پایا، پھر شاہ بہار سے ناچاقی ہو گئی تو آ کر بابر کے ہوا خواہوں میں داخل ہو گیا۔

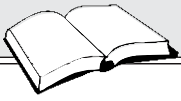
بابری دربار کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر اس نے خوب جانچ لیا، کہ اگر ہمارے پٹھان بھائی باہمی نزاع کو دور کر کے یک دل ہو جائے تو ان مغلوں کو ابھی دم کے دم میں ہندوستان سے نکال باہر کر دیں، اس کے احباب نے یہ باتیں سنیں تو جوانی کی ترنگ سمجھ کر اس کا مضحکہ اڑایا، بالجملہ وہ بابری دربار سے مایوس و متنفر ہو کر بلا رخصت چل دیا، اور پھر دربار شاہ بہار کا تقرب حاصل کیا۔

جب شاہ بہار نے عالم فانی سے ملکِ جاودانی کی راہ لی، تو اس کے جانشین کو خارج کر کے شیر خاں نے ملکِ بہار کو اپنے قبض و تصرف میں کر لیا، پھر ملک بنگالہ کی تسخیر پر متوجہ ہوا، اس اثنا میں ''ہمایوں'' نے اس پر لشکر کشی کی۔

چند معرکوں میں شیر خاں غالب اور ہمایوں مغلوب ہوا؛ مگر قنوج کی آخیر جنگ میں تو ہمایوں نے ایسی ہزیمت پائی کہ پھر ہندوستان میں ٹھہر ہی نہ سکا، چار و ناچار ایران جا کر پناہ ولی، اب شیر خان بہ لقب ''شیر شاہ'' ہندوستان کے تخت و تاج کا مالک ہوا، اور جو منصوبہ اس نے باندھا تھا پورا کر دکھایا۔

اس بادشاہ کو ایجاد قوانین کا بڑا ملکہ تھا، رعایا اور کاشت کاروں کی سرسبزی کو ہمیشہ مدنظر رکھتا، کسی ملک پر چڑھائی کرتا تو کسانوں کو آزار نہ پہنچاتا، زراعت کی پامالی کا عوضانہ دلاتا، عدالت گستری میں چاہے اس کا عزیز و قریب ہی کیوں نہ ہو کسی کی رو رعایت نہ کرتا، راستوں کی امن و حفاظت کا خوب بند و بست کیا تھا، کوئی تاجر اثنائے راہ میں مر جاتا تو اس کا مال اس کے وارثوں کو پہنچاتا۔

فوج کے گھوڑوں پر داغ لگانے کا قاعدہ اس نے اختراع کیا تھا، خیرات خانے اور سرائیں بکثرت تعمیر کرائیں، کاروانوں کی آمد و شد کے لیے عمدہ سڑکیں بنوائیں؛ غرض وہ بڑا عالی ہمت، فیاض اور منتظم تھا، مگر کئی معاملوں میں اس

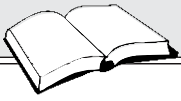


نے دغا وفریب بھی کیا جو اس کے اخلاق پر سخت بدنما دھبہ معلوم ہوتا ہے۔

اس کی موت قلعہ کالنجر کے محاصرے کے وقت اس طور سے ہوئی، کہ غنیم کا گولہ اس کے میگزین میں پڑا جس سے اس کا بدن پھک گیا، اس نزع کی حالت میں بھی وہ اپنی فوج کو قلعہ پر حملہ کرنے کا حکم دیتا رہا، اور جوں ہی فتح کی صدا اس کے کان میں پہنچی خدا کا شکر ادا کیا، اور پھر سانس نہ لیا۔

(۲۹) قِطعہ

پیر ومرشد! اگرچہ مجھ کو نہیں — ذوقِ آرائشِ سر و دستار
کچھ تو جاڑے میں چاہیے آخر — تا نہ دے بارِ زمہریر آزار
کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش — جسم رکھتا ہوں، ہے اگرچہ نزار
کچھ خریدا نہیں ہے اب کی سال — کچھ بنایا نہیں ہے اب کی بار
رات کو آگ اور دن کو دھوپ — بھاڑ میں جائیں ایسے لیل ونہار
آگ تاپے کہاں تلک انسان — دھوپ کھائے کہاں تلک جان دار
میری تنخواہ جو مقرر ہے — اس کے ملنے کا ہے عجب ہنجار
رسم ہے مردے کی چھ ماہی ایک — خلق کا ہے اسی چلن پر مدار
مجھ کو دیکھو تو ہوں بہ قیدِ حیات — اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار
بس کہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض — اور رہتی ہے سود کی تکرار
میری تنخواہ میں تہائی کا — ہو گیا ہے شریک ساہوکار
آپ کا بندہ اور پھروں ننگا! — آپ کا نوکر اور کھاؤں اُدھار!
میری تنخواہ کیجیے ماہ بہ ماہ — تا نہ ہو مجھے کو زندگی دشوار
تم سلامت رہو ہزار برس — ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار



(۳۰) بخاری یا دخانی کشتی

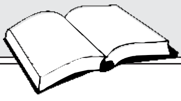
دخانی یا دھویں کی کشتی اس کشتی کو کہتے ہیں جس میں ایک انجن لگا رہتا ہے، اور جب وہ گرم کیا جاتا ہے تو اس کے دود کش میں سے دھواں نکلتا نظر آتا ہے جس طرح تم ریل گاڑی کے انجم میں سے دھویں کے بغارے اٹھتے ہوئے دیکھتے ہو اسی طرح کشتی کے انجن سے نکلا کرتے ہیں، عام لوگوں نے جب یہ کیفیت دیکھی تو خیال کیا کہ کشتی دھویں کے زور سے چلتی ہے؛ اسی واسطے اس کا یہ نام تجویز کر دیا۔

درحقیقت کشتی میں دھویں کا زور کچھ کام نہیں دیتا؛ بلکہ انجن میں ایک دیگ ہوتی ہے جس میں پانی بھرا جاتا ہے، جب اس دیگ کے تلے لکڑی یا کوئلہ جلاتے ہیں تو حرارت کے اثر سے پانی گرم ہو کر بھاپ بنتا ہے، بھاپ اپنے پھیلنے کو بہت جگہ چاہتی ہے؛ چونکہ وہ ہر طرف سے بند ہوتی ہے اور صرف ایک پرزے پر اس کا سارا زور جا پڑتا ہے؛ اس لیے وہ پرزا حرکت کرتا ہے، اس کی حرکت سے کارخانے کی تمام کلیں چلنے لگتی ہیں، اس قسم کے انجنوں سے کہیں لوہے اور لکڑی کا کارخانہ جاری ہے، کہیں کپڑا بُنا جاتا ہے، کہیں کاغذ بنتا ہے، کہیں اینٹیں پکتی ہیں، کہیں برف جمائی جاتی ہے۔

بعض انجمن اس قسم کے بنائے گئے ہیں جو پہیوں کے ذریعے سے خود بھی حرکت کرتے ہیں اور جو شے ان کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے اس کو بھی اپنی زبردست طاقت سے کھینچ لے جاتے ہیں، ان متحرک انجنوں کے وسیلے سے خشکی میں ریل گاڑیاں اور ندی میں کشتیاں مالی مسافروں سے معمور اُڑی پھرتی ہیں۔

کچھ بہت زمانہ نہیں گزرا کہ کشتیاں محض ڈانڈ کے سہارے سے چلائی جاتی تھیں، ڈانڈ کی حرکت سے ملاح پانی کو جھکولا دیتا تھا، پانی کے ہٹتے ہی کشتی آگے بڑھ جاتی تھی، اس ترکیب سے کشتی بہاؤ پر تو خوب چلتی؛ مگر دریا کے چڑھاؤ پر یا دھارے کو کاٹ کر یا باد مخالف کے مقابلے میں جانا البتہ دشوار تھا۔

جب بخار کی طاقت سے انواع واقسام کی کلیں چلنے لگیں، تو ملک امریکہ میں ایک دانش مند نے اس کام پر توجہ کی، کہ انجن کے ذریعے سے کشتی چلائے، اس نے کشتی میں ایک انجن لگایا، اور اس کے ساتھ دو گھومتے پہیے کشتی کے اطراف میں قائم کیے، پہیوں میں چند ڈانڈ لگا دیے، جب بھاپ کی طاقت سے حرکت پیدا ہوئی، تو انجن کی چرخیاں گردش کرنے لگیں، ان کے وسیلے سے دونوں پہیے - جو کشتی کے سروں پر لگائے گئے تھے - چکر کھانے لگے، ان کی



گردش سے ہر ایک ڈانڈ پے در پے پانی کو ہٹانے لگا، اس طرح کشتی بغیر ملاح کی کوشش کے نہایت سرعت کے ساتھ سطح آب پر رواں ہوگئی۔

سب نے اس کشتی کو پسند کیا، اور روز بہ روز اس کا رواج بڑھتا گیا، یہاں تک کہ امریکہ اور یورپ کے ملکوں میں بخاری کشتیوں اور جہازوں کی ساخت کے بڑے بڑے کارخانے قائم ہو گئے، اور جس قدر زمانہ گذرتا گیا دخانی کشتیوں کی ساخت میں اور مفید باتیں ایجاد ہوتی چلی گئیں۔

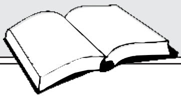
اگلے زمانے میں انگلستان اور ہندوستان کے درمیان پانچ چھ مہینے بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصے میں سفر طے ہوتا تھا، اب دخانی جہازوں کی بہ دولت تین ہفتے سے زیادہ نہیں لگتے، پہلے بادِ مخالف اور طوفان کے مقابلے میں جہازوں کا کچھ قابو نہ چلتا تھا؛ مگر اب طوفان کے جھونکوں اور دریا کی موجوں کو ریلتا پیلتا سیدھا چلا جاتا ہے، دخانی کشتیاں تیز دھار کو کاٹتی ہوئی چڑھاؤ کے رُخ بے تکلف رواں دواں پھرتی ہیں۔

ان دخانی کشتیوں کی ایجاد نے سفر اور تجارت کو نہایت آسانی اور ترقی بخشی ہے، برسوں کا سفر مہینوں میں اور مہینوں کا سفر ہفتوں میں قطع ہونے لگا، یا یوں سمجھو کہ دنیا سکڑ کر چھوٹی ہوگئی، اور دور و دراز کے ملک ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔

(۳۱) ریلوے انجن کا موجد "جارج"

اب سے ایک صدی قبل نیو کاسل کے قریب کسی موضع میں ایک مزدور رہتا تھا؛ آمد قلیل، عیال کثیر، بہ مشکل گزران ہوتی؛ ۱۷۸۱ء میں اس کے ایک اور بچہ پیدا ہوا اور عُسرت کی وجہ سے کمسنی ہی میں مزدوری پر لگا دیا، شام کے وقت کوئلوں کے احاطے کا پھاٹک بھیڑ دیتا اور پون پیسہ روز پاتا، پھر شلجم کھودنے لگا، جس کی اجرت ڈیڑھ پیسہ یومیہ تھی۔

ایک دن اس لڑکے کی بڑی بہن ٹوپی خریدنے کے لیے نیو کاسل کو چلی، لڑکا تھا ان دنوں ٹھالی، بہن کے ساتھ ہولیا، بہت جستجو کے بعد لڑکی کو ایک ٹوپی پسند آئی، قیمت پوچھی تو اکٹھے دو آنے، بھلا اس بے چاری کے پاس اتنے دام کہاں؟ دکاندار سے کمی قیمت کی خواہش کی مگر بے سود، ناچار آگے بڑھی پر کہیں خاطر خواہ ٹوپی نہ پائی، پھر واپس آئی اور حسرت بھری نگاہوں سے اس ٹوپی کو تکنے لگی۔



دفعتہً جارج بولا: بہن! ذرا یہیں ٹھہری رہنا، یہ کہہ کر چل دیا، راہ دیکھتے دیکھتے پورے چار گھنٹے ہو گئے لڑکی بے چاری بہت گھبرائی کہ ضرور میرے بھائی پر کوئی آفت آئی، اسی تشویش میں تھی کہ دیکھا جارج ہانپتا ہوا دوڑا چلا آ رہا ہے، دور ہی سے چلایا: ''لو بہن! پیسے لایا'' جارج نے امیروں کے گھوڑے تھام کر یہ پیسے کمائے تھے، اور اسی کام میں اتنی دیر لگی تھی؛ مگر آفریں اس کی ہمت پر کہ بغیر کام پورا کیے نہ پھرا، اب دونوں خوش خوش دکان پر گئے، دام حوالے کیے، اور ٹوپی لے کر بڑے فخر کے ساتھ اپنے گاؤں کو واپس آئے۔

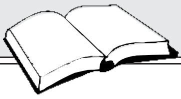
جارج چودہ برس کا ہوا تو اپنا آبائی پیشہ اختیار کیا، یعنی کان کے اندر کوئلہ کھودنے لگا، جس کی مزدوری آٹھ آنے فی یوم تھی، شراب خوری اور کھیل تماشوں سے اسے سخت نفرت تھی، ابھی تک وہ محض ناخواندہ تھا؛ مگر علم وفن کا ایسا شائق کہ اپنے مسکن سے چار میل کے فاصلے پر ایک بڑے میاں کے پاس حساب سیکھنے کبھی کبھی جاتا، بیس سال کی عمر تک خاصہ محاسب بن گیا۔

اس اثنا میں وہ اپنے کام میں بھی ترقی کرتا رہا، اور زیادہ مزدوری پانے لگا، اپنی شادی بھی کر لی، اس زمانے میں کتابوں کی قیمت گراں تھی، اتنا پس انداز نہ ہوتا کہ پڑھنے کے لیے کتابیں خرید سکے؛ اس لیے موچی اور درزی کا پیشہ کرنے لگا؛ جوتیاں بھی بناتا اور کوٹ بھی سیتا، ان دو پیشوں کی آمدنی سے گھر کا کام چلاتا، اور جو بچتا اس کی کتابیں خرید لیتا۔

کچھ عرصے کے بعد وہ انجن چلانے والے کا نائب ہو گیا، اس کے کل پُرزوں پر خوب غور کیا، اور کامل واقفیت حاصل کرنے کے بعد نمونے کے طور پر ایک انجن اپنے ہاتھ سے بنایا، اس میں ایک ایسی ایجاد کی کہ پہلے انجنوں سے اس کا انجمن زیادہ کام دینے لگا، اب اس کی تنخواہ بارہ روپیہ فی ہفتہ ہو گئی۔

ایک بار اتفاقاً اس کے گھر میں آگ لگی، ہمسایوں نے آگ تو بجھا دی؛ مگر اس ہنگامے میں اس کی گھڑی، جو سارے اثاثے میں ایک عزیز چیز تھی، خراب ہو گئی، اس کی درستی میں روپیہ بہت صرف ہوتا تھا، ناچار اپنے ہاتھ سے اس کو ٹھیک ٹھاک کر کے چلتا کیا، پھر تو سب محلے والے اپنی گھڑیاں اس سے صاف کرانے لگے، موچی اور درزی کے علاوہ جارج گھڑی ساز بھی مشہور ہو گیا۔

اب جارج کو پھر ترقی ملی، اور وہ انجن کا افسر مقرر ہوا، جہاں یہ کام کیا کرتا تھا اس کے قریب ہی ایک اور کان تھی، اس میں اتنا پانی بھرا کہ کام بند ہو گیا مہتمم کارخانہ سخت مایوسی کی حالت میں تھا، جارج بھی دیکھنے کو گیا اور بہت ہی غور و



خوض کر کے بولا: ''ایک ہفتے میں اس کو خشک کر سکتا ہوں'' غرض وہ کام جارج کو سپرد ہوا تو دو ہی دن میں گل کے ذریعے سے سارا پانی کھینچ ڈالا، اس خدمت کے صلے میں اس کو ہزار روپے کا انعام اور ''چیف انجنیری'' کا عہد مل گیا۔

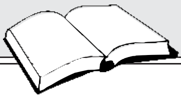
۱۸۱۲ء میں وہ انجمن سازی کے کام پر مقرر رہا، جب تک متحرک انجن ایجاد نہیں ہوا تھا غایت درجہ کی غور وفکر کر کے اس نے ایک چلتا ہوا انجمن بنا کر کھڑا کیا، جو ۱۵/ جولائی ۱۸۴۱ء کو چلایا گیا، وہ پانچ سو من وزن کے آٹھ چھکڑے فی گھنٹہ چار میل کی رفتار سے لے جانے لگا، پھر ایک انجن اور پہلے سے بھی بہتر بنایا، سب لوگ اُس کو حیرت کی نظر سے دیکھتے اور کہتے کہ: ''ایک نہ ایک دن یہ ضرور پھٹے گا''۔

اُس زمانے میں ایک امیر آدمی کوئلے کی کان کا مالک تھا، اس کو کان سے جہاز تک کوئلہ پہنچانے کی اشد ضرورت تھی، اتفاقاً جارج سے ملاقات ہوگئی، اس نے ترغیب دی کہ: ''تم کہو تو کان سے جہاز تک ریلوے بنا دوں'' وہ راضی ہوگیا؛ چنانچہ ۲۷/ستمبر ۱۸۲۲ء کو وہ بارہ میل کی سڑک کھولی گئی۔

اسی وقت میں لیور پول اور مانچسٹر والوں کو بھی مال تجارت کے جلد لانے اور لے جانے کی فکر لگی ہوئی تھی، اول تو تجویز ٹھہری کہ چند چھکڑوں کی قطار گھوڑوں سے کھنچوائی جائے، جارج سے بھی اس بارے میں مشورہ کیا، اس نے صلاح دی کہ: ''ریل کی سڑک بناؤ اور متحرک انجن سے کام لو''۔

یہ بات لغو سمجھی گئی، لوگوں نے اعتراض کیا کہ: ''ان مہیب انجنوں کا دھواں ہوا کو زہریلا بنا دے گا، ان کے شعلے نباتات اور زراعت کو تباہ اور خس پاش گھروں کو خاک سیاہ کر دیں گے، جارج تو دیوانہ ہے، اس کو متحرک انجن ہی کی دُھن لگی ہوئی ہے؛ مگر فرقہ تجار نے زر کثیر جمع کر کے جارج کو کام شروع کرنے کی اجازت دے دی، اول رستے کی پیمائش کے لیے ایک گروہ مقرر رہا، وہ اپنا کام رات کو کیا کرتا؛ کیوں کہ دن میں قرب وجوار کے گنوار ان پر پل پڑتے تھے، جن کو زمین داروں اور تعلقہ نے ابھار دیا تھا۔

بارے خدا خدا کر کے پیمائش کا کام ختم ہوا، اور پارلیمنٹ میں ریل بنانے کی غرض سے ایک قانون پیش کیا گیا؛ مگر فوراً نا منظور ہوا، ممبران پارلیمنٹ نے کہا: ''ہم واقف ہیں کہ اس رستے میں ایک عمیق دلدل ہے، جس کی تہہ، آج تک نہیں لی، یہ کون دیوانہ ہے جو اس پر ریل بنانی چاہتا ہے'' جارج کا دعوی تھا کہ یہ امر ممکن ہے، آخر دو نامی انجینئروں نے اس کی رائے کی تصدیق کی، وہی بل مکرر پیش ہو کر منظور ہوگیا، الا عام لوگ اس کام کے حامیوں کو خبط



الخواس ہی کہتے رہے۔

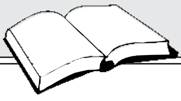
جارج نے ریل کی سڑک بنانی شروع کی، جب دلدل کی نوبت آئی تو ہزار ہا چھکڑے پتھر اور مٹی کے اس میں ڈالے اور سب غائب حتی کہ لوگ مایوس ہونے لگے، مگر جارج یہ ہی کہتا رہا کہ: ''اور ڈالو'' آخر دلدل بھر گئی، سڑک بن گئی، اور اس پر ریل بچھادی گئی، پھر بھی لوگ اس کو مجنون ہی کہتے رہے۔

جب سڑک مکمل ہو چکی تو ڈائرکٹروں نے اشتہار دیا کہ: ''جو انجینئر فی گھنٹہ دس میل چلنے والا انجن بنائے گا اس کو پانچ ہزار روپے کا انعام دیں گئے، جارج نے بھی اپنے بیٹے کی اعانت سے ایک انجن تیار کیا، امتحان کے روز چار انجن پیش ہوئے، ہر ایک کی رفتار دیکھی گئی، جارج کا انجن، جو ایک گھنٹے میں پچیس تیس میل چلا، سب سے سبقت لے گیا، حکم ہوا کہ ایسے ہی آٹھ انجن اور بناؤ، بالآخر ۱۵/ستمبر ۱۸۲۰ء کو مانچسٹر اور لیور پول کے درمیان ریلوے کھولی گئی، اکثر نامی گرامی امرا اس وقت موجود تھے، یہ سب کچھ ہوا؛ مگر جارج اور اس کے بیٹے کو عوام الناس پھر بھی وہمی، خبطی، دیوانہ اور پاگل ہی کہتے رہے۔

(۳۲) تاروں بھری رات (از مولف)

ارے چھوٹے چھوٹے تارو   کہ چمک دمک رہے ہو
تمھیں دیکھ کر نہ ہووے   مجھے کس طرح تحیر
کہ تم اونچے آسماں پر   جو ہے کُل جہاں سے اعلیٰ
ہوئے روشن اس روش سے   کہ کسی نے جڑ دیے ہیں
گہر اور لعل گویا

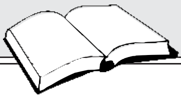
جوں ہی آفتاب تاباں   نے چھپایا اپنا چہرہ
وہیں جلوہ گر ہوئے تم   یہ تمہاری جگمگاہٹ
ہے مسافروں کے حق میں   بڑی نعمت اور راحت



اگر اتنی روشنی بھی نہ میسر آتی انکو
تو غریب جنگلوں میں ان یوں ہی بھولتے بھٹکتے
نہ تمیز راس و چپ کی نہ طرف کی ہوتی اٹکل
نہ نشان راہ پاتے

وہ غریب کھیت والے وہ امیدوار دہقاں
کہ کھڑی ہے جن کی کھیتی کہیں کھیت کٹ رہا ہے
کہیں کہ رہا ہے خرمن نہیں آنکھ ان کی جھپکی
یوں ہی شام سے سحر تک ہیں تمام رات جاگے
نہ گھڑی ہے واں نہ گھنٹہ نہ شمار وقت و ساعت
مگر اے چمکنے والو! ہو تمھیں انھیں سجھاتے
کہ گئی ہے رات اتنی

وہ جہاز جن کے آگے ہے وسیع بحر اعظم
ان ہی ہولناک موجوں سے مقابلہ ہے کرتا
کوئی ہے چلا وطن سے کوئی آ رہا ہے واپس
انھیں کچھ خبر نہیں ہے کہ کدھر ہے ان کی منزل
نہ تو مرحلہ نہ چوکی نہ سُراغ راہ کا ہے
نہ کوئی دلیل و رہبر مگر اے فلک کے تارو!
تمھیں ان کے رہنما ہو



(۳۴) اونٹ

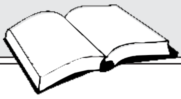
چوپائے دو قسم کے ہیں: اہلی اور وحشی؛ اہلی وہ ہیں جو پالنے اور پرورش کرنے سے انسان کے ساتھ مانوس ہو جاتے ہیں، جیسے: گھوڑا، بیل، اونٹ وغیرہ۔ وحشی وہ ہیں جو جنگل میں بسر کرتے اور آدمی کی صورت سے بدکتے ہیں، جیسے: نیل گائے، پاڑھا، ازنا بھینسا وغیرہ۔

تمام اہلی جانوروں میں اونٹ نہایت اصیل ونجیب، حلیم وسلیم جانور ہے، اس کے جثّہ اور اعضا کی ساخت سے صاف عیاں ہے، کہ وہ گرم وخشک ریگستانوں کی صعوبتیں جھیلنے اور وہاں کے باشندوں کو مدد دینے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

اس کے معدے میں قدرت کاملہ نے ایسے خانے بنا دیے ہیں، جن کے اندر وہ ہفتہ بھر کی رسد پانی کی اپنے واسطے بھر لیتا ہے، اور بے آب وغیر آباد بیابان کو بے تکان طے کرتا چلا جاتا ہے، اس کی پشت پر کوہان ہوتا ہے جو حقیقت میں چربی کا ایک ذخیرہ ہے، اور یہ ذخیرہ اس کے معدے کو بھوک کی شدت میں غذا پہنچاتا ہے، جب کہ چٹیل اور اُجاڑ ریگستانوں میں کہیں گھاس کا تنکا یا جھاڑی جھنڈی کے پتے، ببول کے کانٹے یا چھوہارے کی چند گٹھلیاں بھی اس کو میسر نہیں آتیں تو کئی کئی روز تک وہ بے چارہ بغیر چارہ کھائے نہایت صبر وتحمل کے ساتھ اپنی کڑی منزلیں طے کرتا ہے۔

اس کے سُم چوڑے چپٹے اور نرم گدگدے ہوتے ہیں، جو ریتے کے ایسے تھلوں کو بہ خوبی قطع کرنے کے قابل ہیں، جہاں گھوڑے کا سخت سُم ٹخنے تک غرق ہو جاتا ہے؛ اس کی طویل گردن، اونچی ٹانگیں، اس کی مضبوط پسلیاں اور گھٹنوں اور کولھوں کے جوڑ صاف ظاہر کرتے ہیں، کہ وہ بار برداری اور سواری کے لیے نہایت موزوں بنایا گیا ہے، وہ مالک کے اشارے پر زانو کے بل بیٹھ جاتا اور اپنی پیٹھ پر بوجھ لدواتا ہے؛ لیکن جب غلطی سے اس کا مالک بارِ گراں اس کی پشت پر لا دیتا ہے، تو وہ اس کو آگاہ کرنے کے لیے بڑبڑاتا اور شور وغُل مچاتا ہے۔

ایسے ریگستانی خطوں میں جیسا کہ عرب اور افریقہ کا صحرا ہے، اسی سود مند جانور کی بہ دولت آدمیوں کی خوراک ولباس میسر آتا ہے، اور اسی کی اعانت سے ان کے اکثر کام چلتے ہیں، وہ لوگ اونٹ کے بالوں سے کپڑا بنتے اور رسی بناتے ہیں، اس کی کھال کے خیمے اور فرش تیار کرتے ہیں، اس کے گوشت اور دودھ سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں، یہاں تک کہ اس کی ہڈی کو بھی کام میں لاتے ہیں؛ غرض کہ ان کے حق میں اونٹ ایک رحمت الٰہی ہے۔



(۳۴) اہلیا بائی

یہ نیک سیرت بائی سیندھیا کے خاندان سے تھی، ۱۷۳۵ء میں پیدا ہوئی۔ میانہ اندام، سبزہ رنگ اور اکہرے بدن کی عورت تھی، گو چنداں خوب صورت نہ تھی، مگر خدا نے اس کو فہمِ کامل، ہمت عالی اور صفاتِ حمیدہ عطا کی تھیں، جن کے آگے حسن ظاہری کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔

''ملہار راو بلکر'' کے بیٹے سے اس کی شادی ہوئی، ابھی بیس برس کی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ بیوہ ہوگئی، اس کا شوہر اپنے باپ کے سامنے ہی اس جہاں سے انتقال کر گیا، صرف ایک لڑکا اور ایک لڑکی یادگار چھوڑے، ملہار راؤ کی وفات کے بعد اس کا پوتا جانشین ہوا؛ مگر نو مہینے کے بعد وہ بھی راہی عدم ہوا؛ اس لیے دھرم شاستر کی رُو سے اہلیا ریاست کی وارث ٹھہری، ۱۷۶۵ء میں اس نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی، اس وقت اس کی عمر تیس برس سے زیادہ نہ تھی۔

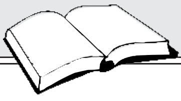
کہتے ہیں کہ اس نے خزائن سلطنت پر متصرف ہو کر تمام روپیے، آسائش خلق اور رفاہ عام کے لیے وقف کر دیا تھا، وہ اپنے علاقے کا انتظام خود کرتی تھی، اور چاہتی تھی کہ علم اور انصاف کے ساتھ حکم رانی کر کے اپنے ملک کی حالت کو بہتر اور رعایا کو مرفہ حال کرے، ساہوکاروں اور تاجروں، زمین داروں اور کاشت کاروں کی ترقی جس قدر اس کے دل کی خوشی کا باعث تھی اتنی کوئی اور چیز نہ تھی۔

سب سے افضل یہ وصف تھا کہ وہ غیر مذہب والوں کے ساتھ زیادہ مہربانی سے پیش آتی تھی، اس کی انصاف پروری اور معدِلت ہی کا نتیجہ تھا، کہ اس کا ملک غنیم کے حملے سے محفوظ اور اندرونی فتنہ وفساد سے پاک صاف رہا۔

یوں تو ہر ادنیٰ اعلیٰ کے ساتھ اس کا برتاؤ نیک تھا؛ لیکن غریب اور محنتی آدمیوں کے حال پر از حد توجہ کرتی تھی، وہ اپنے ہی علاقے میں دان پُن نہ کرتی؛ بلکہ اس کا فیض عالم گیر تھا، ہندوؤں کے جتنے تیرتھ جاترا ہیں سب مقامات پر اس نے مندر بنوائے تھے، اور سالانہ خیرات بھی وہاں بھیجا کرتی تھی۔

اس کا دستور تھا کہ تمام مقدمات آپ سنتی، ہر مُستغیث اس کے دربار میں باریاب ہوتا، اس کا قول تھا کہ: ''مجھے اپنے تمام اعمال حکومت کا حساب خدا کو آپ دینا پڑے گا''۔

اس کی پوجا پاٹ اور ریاضت کے کاموں میں بجز کسی خاص ضرورت کے کبھی فرق نہ آتا تھا، سب لوگ تہ دل



سے اس کی تعظیم وتکریم کرتے تھے، نہ صرف اس کے ہم قوم بلکہ غیر قوم والے بھی اس کو ایسا ہی مانتے تھے، نظامِ دکن اور ٹیپو سلطان بھی اس کی ایسی ہی عزت کرتے جیسی کہ پیشوا کرتا تھا۔

ان باتوں کے سوا ایک بڑی قابلِ تعریف بات یہ ہے، کہ خوشامد سے اس کو نفرت تھی، چناں چہ ایک برہمن اس کی تعریف میں کتاب بنا کر لایا، جب تک وہ پڑھتا رہا خاموش بیٹھی سنتی رہی؛ مگر جب ختم کر چکا تو کہا کہ: ''بھلا میں ضعیف العقل اس صفت وثنا کی مستحق کب ہوں'' یہ کہہ کر وہ کتاب دریائے نربدا میں ڈلوادی، اور اس برہمن کی طرف مطلق التفات نہ کیا۔

آخر عمر میں اس کو اپنی بیوہ دختر کے ستی ہو جانے کا سخت صدمہ اٹھانا پڑا، ۱۷۹۶ء میں جب اس کی عمر ۶۰ سال کی تھی۔ اس نے نہایت فیاضانہ اور منصفانہ حکومت کے بعد اس عالم سے رحلت کی۔

(۳۵) حکایت مردکورو بینا

ایک اندھا مرد بینا کا تھا یار
ربط تھا دونوں میں باہم بے شمار

بارے اک باری ہوئے وہ ہم سفر
ایک جا شب کو ہوا ان کا گذر

تھی پرانی قمچی اک اندھے کے پاس
کچھ سفر کٹنے کی تھی جس سے نہ آس

یک بہ یک ڈورا گیا نیچی کا ٹوٹ
ہاتھ سے قمچی پڑی اندھے کے چھوٹ

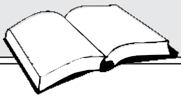
تھی نہ خواہش اس کی چنداں گو اسے
پر لگا وہ ڈھونڈ نے ہر سو اُسے

ڈھونڈتا اس کو جو وہ ہر جا گیا
سانپ اس کے ہاتھ میں اک آگیا

خوب جو نرمی پہ اس کی غور کی
جی میں سمجھا ہے یہ قمچی اور کی

اس سے اس قمچی کو اچھا جان کر
بولا: اے دل! اس کا مت ارمان کر

روشنی اس میں ہوئی جب زور کی
تب پڑی آنکھ اس پہ اس دل سوز کی



یک بہ یک گھبرا کے وہ اٹھا پکار	''مار'' تیرے ہاتھ میں ہے، اس کو مار
کور بولا: میں دغا کھاتا نہیں	ان دموں میں مطلقاً آتا نہیں
پا گیا اے دوست! مطلب میں ترا	یعنی میں دوں پھینک اور تو لے اٹھا!
کور تھا اس گفتگو کے دھیان میں	سانپ نے کاٹا اسی کی ران میں
زہر کا رنگیں اثر اس کو ہوا	کاٹتے ہی اس کے وہ اندھا موا

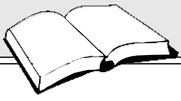
(۳۶) سیتا جی

ہندوؤں کے ہاں جو شہرت ''رام چندر جی'' کی بی بی ''سیتا جی'' نے پائی ہے وہ کسی اور عورت کو نصیب نہیں ہوئی، طرح طرح مصیبتوں کا جھیلنا اور عجیب عجیب سانحوں کا پیش آنا، خاندان اور مرتبے کی شرافت، حسن خداداد کی لطافت، خوبی خصائل کی فضیلت، یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ جن کی وجہ سے ہر فرقے کے ہندوان کے نام کو محبت و عقیدت سے یاد کرتے ہیں۔

سیتا جی کا باپ ''راجہ جنگ'' ترہٹ کا فرماں روا تھا، اور صرف یہی دختر نیک اختر مشکوے سلطنت کا اجالا تھی؛ اس لیے نہایت ناز و نعمت سے اس کی پرورش ہوئی، اس کے جمالِ ظاہری کو کمالِ اوصاف نے اور بھی چمکا دیا۔

اس زمانے میں بہادری اور شجاعت ہی بڑا جوہر تھا؛ اس لیے راجہ جنگ نے عہد کر لیا تھا کہ جو کوئی اس کڑی کمان کو کھینچ لے گا، جو اس کے ہاں رکھی ہوئی تھی، وہی اس کی پیاری قرۃ العین ''سیتا'' کو پائے گا۔

جب سیتا جی کے جمال و کمال کا آوازہ تمام آریہ ورت میں پھیل گیا، تو دور و نزدیک کے راجہ اس کے خواستگار ہوئے، مگر رام چندر جی کے سوا، جن کا آغازِ شباب تھا اور فنِ تیر اندازی میں دستگاہ کامل پیدا کی تھی، کوئی کامیاب نہ ہوا، انھوں نے صرف کمان کو کھینچا ہی نہیں، بلکہ اپنی شہ زوری سے اس کے دو ٹکڑے کر دیے، پس عہد کے بہ موجب ان کے ساتھ سیتا کی شادی ہو گئی، وہ اس کو لے کر ''اجودھیا'' میں واپس آئے، اجودھیا ان کے باپ کا دار الحکومت تھا۔



کچھ مدت کے بعد ان کے پتا ''جسرتھ'' نے اپنی ایک عزیز بی بی کے اغوا سے رام چندر کو چودہ برس کا بن باس دیا، رام چندر نے بلا عذر باپ کے اس سخت حکم کی تعمیل کی، اس جلا وطنی میں ان کی باوفا بی بی سیتا اور ان کے برادر عزیز ''لچھمن'' نے حق رفاقت ادا کیا، یہ شاہی گروہ اجودھیا کی رعایا برایا کو اپنی مفارقت کے رنج والم میں گریہ وزاری کرتا ہوا چھوڑ کر رخصت ہوا، ''الہ آباد'' سے گذر کر ''چتر کوٹ'' پہاڑ پر پہنچے، کئی سال کی دشت نوردی کے بعد منبع ''گوداوری'' کے قریب ''پنچوٹی'' پر اقامت اختیار کی؛ تاکہ باقی ایام وہاں بسر کریں۔

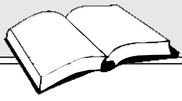
جنگل کے پھل پھلاری اور شکار پر گذر اوقات کرتے تھے، رام چندر اور لچھمن باری باری سے صید افگنی کو جاتے مگر ایک بھائی سیتا کی تشفی خاطر اور حفاظت کی نظر سے موجود رہتا، قضارا ایک روز رام چندر جس سمت کو شکار کے لیے گئے تھے اُدھر سے نالہ وبکا کی آواز آئی، ناچار لچھمن سیتا کو تنہا چھوڑ کر تفتیش حال کے لیے چلے گئے، ان کا جانا تھا کہ لنکا کا راجہ راون سیتا جی کو جبراً اپنے ساتھ لے گیا۔

جب رام چندر جی نے معاودت کی اور سیتا کو قیام گاہ پر نہ پایا، تو بغایت مضطرب ہوئے، اور جنگل جنگل تلاش کرتے پھرے، آخر کو جب پتہ مل گیا، تو راجہ کرناٹک کے بھائی ''سگریو'' کی اعانت سے لنکا پر لشکر کشی کا عزم کیا۔

آغاز جنگ سے پیشتر ہنومان کو، جو سگریو کا وزیر اعظم اور سپہ سالار تھا، راون کے سمجھانے کو بھیجا، جب صلح و صلاح سے راون راہ راست پر نہ آیا تو ہنومان سیتا کو تسلی تشفی دے کر واپس چلا آیا، پھر تو رام چندر جی کے لشکر نے سیت بند کو عبور کر کے خوب معرکہ آرائی اور جدال وقتال کیا، یہاں تک کہ بدذات راون ان کے ہاتھ سے ہلاک ہوا، اور اپنے کردار کی پاداش کو پہنچا۔

یہ فیروز مند گروہ سیتا کو زندانِ بلا سے چھڑا کر وطن کی جانب پھرا؛ مگر اول اس غم زدہ قیدی کو اپنی عفت وعصمت کے ثبوت میں ایک ہولناک امتحان آگ میں گرنے کا حکماً دینا پڑا، کیوں کہ اس زمانے میں مشتبہ عورت کے لیے دہکتی ہوئی آگ یا جلتے توے پر برہنہ پا چلنا ہی، پاک دامنی کی شہادت خیال کی جاتی تھی۔

اس سخت آزمائش کے بعد رام چندر اور سیتا جی دھوم سے اجودھیا میں داخل ہوئے، اور تخت شاہی نے راجہ رام چندر جی کے جلوس سے رونق تازہ پائی؛ سیتا جی نے جبلی نیک مزاجی، خوش خوئی اور نہایت خلوص ووفاداری سے اپنے نامور شوہر کے دل میں ازدیادِ محبت کا بیج بویا، کچھ عرصے کے بعد آثار حمل نمودار ہوئے، اور دستور کے موافق حاملہ کی حفاظت اور خوشی کے ساز وسامان کیے گئے؛ مگر افسوس کہ انقلاب روزگار نے بہت جلد اس مسرت کو کلفت سے بدل



دیا۔

عوام الناس نے سیتا جی کی عفت اور بے گناہی کو تسلیم نہ کیا؛ بلکہ گھر گھر بدگمانی اور الزام کا چرچا ہونے لگا۔

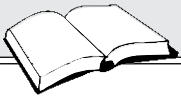
ناچار رام چندر جی نے پیاری بی بی کو جلاوطن کیا، لچھمن جی اس بے کس شکستہ خاطر کو بن کے اندر ''بالمیک'' کی مَنڈھی کے پاس چھوڑ آئے، وہیں ''لو'' اور ''کُش'' دو توام لڑکے پیدا ہوئے، جنھوں نے بالمیک کی سرپرستی میں پرورش پائی۔

جس وقت رام چندر جی نے اَشوَمید ھ جگ کیا تو یہ لڑکے بھی بالمیک کے ساتھ اجودھیا کو گئے، اگرچہ ان کا لباس غریب برہمن زادوں کا سا تھا؛ مگر ان کی شکل وصورت سے جلال شاہی اور شکوہِ امارت ٹپکتا تھا؛ اس لیے اصل حال مخفی نہ رہ سکا، اور بہت جلد ان کا حسب ونسب سب پر آشکارا ہو گیا۔

اس وقت بالمیک نے بھری مجلس میں سیتا جی کی سفارش کی، اور تمام الزام واتہام، جو ان کی عصمت پر لگائے گئے تھے، رفع کر دیے، تب تمام راجاؤں اور سرداروں نے، جو اس جشن میں جمع ہوئے تھے۔ متفق اللفظ یہی کہا: سیتا ستونتی ہے، اور اس کو واپس بلا لینا مناسب ہے لیکن اور اہل مجلس نے خاموشی اختیار کی، اور واپسی کی رائے نہ دی؛ اس لیے رام چندر جی کو رعایا کی رضامندی کے بغیر ایسا کرنا مصلحت نہ معلوم ہوا۔

بالمیک نے یہ صورت دیکھ کر کہا کہ اب بھی کسی کو شک وشبہ ہو تو مکرر آزمائش ہو سکتی ہے، سیتا جی کو، جو تکلیفیں سہتے سہتے اور مصیبتیں اٹھاتے اٹھاتے نہایت نحیف وناتواں ہو گئی تھیں، یہ باتیں اس قدر شاق گزریں کہ تاب نہ رہی غم وغصے کے جوش میں غش کھا کر گر پڑیں، اور آخر دم تک ہوش میں نہ آئیں، رام چندر جی کو اس سانحہ کا ایسا قلق ہوا، کہ آخر کار اپنے تئیں دریائے سرجو کے حوالے کیا۔

الغرض سیتا ایک نیک طینت، باوفا، صابر، مستقل مزاج اور خاوند کی فرماں برداری کرنے والی بی بی کا ایک عجیب اور بے نظیر نمونہ تھی۔



(۳۷)حکایت روباہ

لومڑی کا دشمن اک خرگوش تھا
پر بہت بے عقل اور بے ہوش تھا

ایک دن اک بھیڑیے کا بن کے یار
یوں لگا کہنے اسے: اے غم گسار!

صدقے تجھ پر یہ میری جان ہے
آج کے دن تو مرا مہمان ہے

بھیڑیے کو مکر تھے ہر چند یاد
ہولیا پر ساتھ اس کے ہو کے شاد

لومڑی کے در پہ اس کو کر کھڑا
آپ وہ خرگوش پھر اندر بڑھا

لومڑی سے یوں کہا: کر کچھ علاج
تیرے گھر مہمان اک آیا ہے آج

اس نے گھبراہٹ سے جو یہ بات کی
سمجھی وہ کچھ ہے مقرر اس میں فی

تھی عداوت کی جو آتی اس سے بُو
جانتی تھی اس کو وہ اپنا عدو

بولی ؛ اس رستے سے اس کو لائیو
آگے آگے اس کے پر تو آئیو

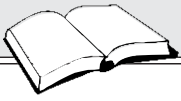
تھا بنایا اس نے جو اس راہ کو
واں کیا خس پوش تھا اک چاہ کو

جو ہیں پہنچے آ کے اس راستے سے واں
گر پڑے اس میں وہ دونوں نا گہاں

آپ سے دونوں اسیر چہ ہوئے
بچ رہی وہ، اور وہ دونوں موئے

ہے برائی کا ثمر رنگیں یہی
پوست گندہ میں نے تجھ سے یہ کہی

نیک وبد کی کیا تجھے اٹکل نہیں
راہ سے بے راہ ہرگز چل نہیں



(۳۸) چھاپہ کا ایجاد

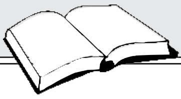
اس صنعت کی ایجاد نے علوم وفنون کے قالب میں ایک تازہ روح پھونک دی ہے، جب تک قلم سے کتابت ہوتی تھی کتابوں کی تصنیف وتالیف اوران کی اشاعت کم ہوتی تھی؛ اس لیےعلم وہنر کا بازار سرد تھا، مگر چھاپے کی ایجاد نے کتابوں کو پانی کے مول کر دیا، اور بہت سا وقت اور بڑی محنت ۔ جو کتابوں کے لکھنے میں صرف ہوتی ، بچادی۔

اگلے وقتوں میں جب ''روم'' و''یونان'' پرتباہی آئی ، تو جنگ وجدل کے زمانے میں اکثر حکماء کی تصنیفات جن کے نسخے بہت کم تھے، غارت ہوگئیں، پھر وہ ایسی مفقود ہوئیں کہ دنیا میں ان کا نام ونشان بھی نہ رہا، اب چھاپے کی بدولت ایک ایک کتاب کے ہزار ہا نسخے تیار ہو سکتے ہیں؛ اس لیے کتابوں کے بالکل نیست و نابود ہو جانے کا خطرہ بہت کم ہو گیا ہے، مگر چھاپے کی بدولت جس طرح عمدہ کتابیں اور مفید مضامین رواج پاتے ہیں، جن کا مطالعہ انسان کے لیے مفید ہے، اسی طرح بُرے مضمون اور مضرت رساں کتابیں بھی شائع ہوسکتی ہیں، اسی نظر سے چھاپہ خانے کے واسطے گورنمنٹ نے خاص قانون بنادیا ہے؛ تاکہ کوئی شخص اس مفید آلے کو بُرے کام میں نہ لائے۔

چھاپے کے ایجاد کا دعوی اہل ''ہالینڈ'' اور اہل ''جرمنی'' دونوں کرتے ہیں، مگر تحقیق یہ ہے کہ موجد اس کا ہالینڈ ہے، البتہ اہل جرمنی نے اس کو رونق وترقی دی ہے، کہتے ہیں: ۱۴۳۰ء میں ایک شخص نے بطور تفنن درخت پر کچھ نقش ونگار کھودے، اور سیاہی لگا کر کاغذ چپکا دیا، اس کاغذ پر اچھے خاصے نقش اٹھے، پھر تو لکڑی کھود کر چھاپنے کا رواج شروع ہوگیا۔

بارہ برس کے بعد ایک شخص، جو چھاپہ خانے کا ملازم تھا، ہالینڈ سے بھاگ کر جرمنی میں آیا، آلات طبع چُرا کر ساتھ لایا، اور یہاں صنعت کو رواج دیا، جب اس نے دیکھا کہ لکڑی جلد گھستی اور حرف خراب ہوجاتے ہیں، تو سیسے پر حرف بنانے کی ترکیب نکالی؛ مگر اس طرح حرفوں کے کُندہ کرنے میں بھی بہت وقت صرف ہوتا تھا، پھر اس نے ایک اور شخص کو اپنا شریک حال بنایا، اور اس کو نصفا نصف منافع کا ساجھی کرلیا، باہم قول وقرار ہوگیا! کیوں کہ اس وقت تک یہ صنعت بہ طور خفیہ راز کی تھی، اس شخص نے اول فولادی حرف تیار کیے، اوران کا ٹھپہ تانبے پر اٹھالیا، اس طرح تانبے کا قالب بنا کر اس میں سیسے کے حروف ڈھالنے لگا، پھر تو چھاپنے میں آسانی ہوگئی۔

۱۴۶۲ء میں ایک بار اس شہر کو، جہاں یہ چھاپنے والے رہتے تھے، غنیم نے فتح کرلیا، باشندے خوفِ جان سے

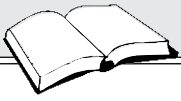


بھاگ نکلے، یہ لوگ بھی اپنے وطن کو چھوڑ اِدھر اُدھر نکل گئے، اس وقت سے اور ملکوں میں بھی اس صنعت نے رواج پایا، ملک انگلستان میں یہ صنعت ۱۴۷۰ء سے شروع ہوئی ہے، مگر آکسفورڈ کے مدرسے میں بعض کتابیں ۱۴۶۰ء کی مطبوعہ بھی ملتی ہیں۔

ہندوستان میں چھاپے کے آنے کا قصہ یوں مشہور ہے، کہ شاہ انگلستان نے ایک معتمد ملازم زرِکثیر دے کر ہالینڈ کو روانہ کیا، کہ کسی تدبیر سے اس صنعت کو حاصل کرے، اس نے بھیس بدل کر کچھ عرصے تک اس ملک میں قیام کیا؛ کیوں کہ اس وقت تک یہ صنعت غیروں سے مخفی رکھی جاتی تھی، اور اگر معلوم ہوتا کہ کوئی شخص غیر ملک کا اسے سیکھنے آیا ہے تو وہ اس قصور پر قید کر دیا جاتا تھا۔

غرض انگلستانی عیار نے اپنے حسن تدبیر سے چھاپہ خانے کے ایک ملازم کو، جو اس فن سے بہ خوبی واقف تھا، پرچالیا، اور زرِکثیر دے کر اس کو انگلستان آنے پر رضامند کیا، ایک روز خفیہ طور پر یہ دونوں آدمی شہر سے نکلے، اور سمندر کے ساحل پر پہنچ کر اس جہاز میں سوار ہو گئے جو شاہ انگلستان کی طرف سے اس خدمت کے واسطے متعین تھا۔

جب چھاپے کا ہنرمند انگلستان جا پہنچا، تو بادشاہ نے لندن میں اس کارخانے کا بنانا مصلحت نہ جان کر، اس کاری گر کو آکسفورڈ میں بھیج دیا جہاں اس نے کارخانے کی بنا ڈالی، اور چند انگریزوں کو یہ فن سکھایا، پھر تو روز بہ روز اس عجیب اور مفید صنعت کا رواج بڑھتا گیا، اور بہت کچھ ترقی اس میں ہوئی، یہاں تک کہ آج کل چھاپے کی کلیں بخاری انجن کے ذریعے سے چلائی جاتی ہیں، اور ایک روز میں اتنا کاغذ چھاپ دیتی ہیں جتنا ہاتھ کی کلیں مہینوں میں نہ چھاپ سکیں، انگریزوں کی بہ دولت یہ صنعت ہندوستان میں پہنچی، اور اس کی برکت سے کتابوں کی وہ ارزانی ہوئی کہ ہر ادنی اور غریب شخص بھی خرید سکتا ہے، اگلے وقتوں میں جو قلمی کتاب روپے کو بہ مشکل میسر آتی تھی وہ اب آنہ میں دستیاب ہو سکتی ہے۔



(۳۹) حکایت ماہی عقل مند و کم عقل و بے عقل

دشت میں مدت سے تھا اک آب گیر — مچھلیاں تین اس میں رہتی تھیں صغیر

شام کو صیاد پہنچا اک وہاں — بولا: ڈالوں گا سحر کو جال یاں

وہ جو تھی دانا تو سن اس بات کو — بہہ گئی آگے وہاں سے رات کو

صبح کو صیاد نے اٹھتے ہی بس — جال کو پانی میں پھینکا کر ہوس

وہ جو تھی کم عقل مچھلی اس گھڑی — سمجھی اب مجھ پر مصیبت آپڑی

جان پر اپنی وہ اک دم اڑ گئی — بن کے مُردہ پھر تو وہ چت پڑگئی

جان کر سے صیاد نے مردہ اسے — دور پھینکا واں سے اس استاد نے

یوں بچا کر لے گئی وہ اپنی جان — تیسری کا اب سنو مجھ سے بیان

پس کہ وہ احمق تھی آئی دام میں — اس کو وہ صیاد لایا کام میں

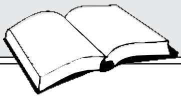
بس یہ لازم ہے کہ پیش از مرگ یار! — کام فرما عقل کورہ ہوشیار

تا کہ دانا سب کہیں: ''دانا تجھے'' — انیں عاقل اور فرزانا تجھے

یعنی کرلے کچھ جوانی میں حصول — بندگی ہوتی ہے اس سِن کی قبول

اور جو پیری میں تجھے آیا خیال — ہے غنیمت تو بھی اے فرخند وفال

کر رہا پیری میں بھی اس حال پر — تو تو رنگیں وائے تیرے حال پر



(۴۰) غیاث الدین وشہاب الدین

یہ دونوں حقیقی بھائی خاندان غور کے شاہزادے تھے؛ شجاعت، سخاوت، خُلق ومُروت میں ایک دوسرے سے فائق وبرتر، جب غیاث الدین کو تختِ سلطنت نصیب ہوا تو چھوٹے بھائی کو مدار المہام اور سپہ سالار بنایا، یہی شہاب الدین تھا جس نے ہندوستان کو فتح کر کے اسلامی سلطنت کی بنیاد جمائی، ان دونوں بھائیوں میں ساری عمر ایسا ایسا اتفاق واتحاد رہا کہ جس کی نظیر شاہی خاندانوں میں بہت کم پائی جاتی ہے۔

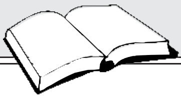
ایک بار ان کے چچا ملک ''فخر الدین'' نے سلطنت غور کے دعوے سے دونوں بھتیجوں پر یورش کی لیکن ان کے مقابلے میں شکست کھا کر گرفتار ہوگیا، یہ دونوں بھائی جب چچا کے روبرو پہنچے تو فوراً پیادہ پا ہو کر اس کی رِکاب کو بوسہ دیا، اور نہایت تعظیم وتکریم بجالائے، قیدی چچا نے یہ مُدارات دیکھ کر شبہ کیا کہ شاید میری ہنسی کرتے ہیں؛ مگر یہ شبہ بہت جلد رفع ہوگیا، اور اس کو یقین آ گیا کہ دونوں سعادت مند بچے دل سے انسانیت وقرابت کا فرض ادا کر رہے ہیں، آخر کار بہت آرام کے ساتھ اس کو بلخ، تک پہنچا دیا۔

(۴۱) پرتھی راج اور شہاب الدین غوری

خاندان چوہان کا آخری فرماں روا ''پرتھی راج'' تھا، جس کو ''رائے پتھورا'' بھی کہتے ہیں، دلی اور اجمیر کی دونوں ریاستیں اسی کے زیرنگیں تھیں، اجمیر کو اپنا پایہ تخت بنایا تھا، دلی کی حکومت اپنے بھائی ''کھانڈے رائے'' کو سپرد کی تھی، اسی عہد میں سلطان غیاث الدین ''غور'' کا بادشاہ اور اس کا چھوٹا بھائی شہاب الدین امیر لشکر اور حاکمِ غزنی تھا۔

شہاب الدین ''غزنی'' کا انتظام کر کے ملک ہند کی تسخیر پر آمادہ ہوا، اول لاہور کے بادشاہ ''خسرو ملک'' کو اسیر ودستگیر کر کے پنجاب پر قبضہ کرلیا، پھر ہندو راجاؤں کی عمل داری میں قدم بڑھایا اور قلعہ سرہند کو سر کیا، اب سلطان مراجعت کی تیاری کر رہا تھا کہ رائے پتھورا کی لشکر کشی کا غلغلہ سنا، خود پیش قدمی کر کے آگے بڑھا، اُدھر سے ''رائے'' کا لشکر پہنچا، ''تلاوڑی'' کے میدان میں ہنگامہ کارزار گرم ہوگیا۔

جس وقت سلطان کی فوج راجپوتوں کے قلب پر جھکی ہوئی تھی، اس کا دایاں اور بایاں بازو شکست کھا کر بھاگا، مگر سلطان کچھ رفیقوں سمیت میدان میں جما رہا، کھانڈے رائے نے ہاتھی اس پر ریلا، سلطان بھی گھوڑا اچکا کر بڑھا، اور



نیزے کا ایسا ہاتھ مارا کہ دانت توڑ کر اس کے منہ میں اتر گیا؛ مگر سلطان کے بھی زخم کاری لگا، قریب تھا کہ پشت زین سے جدا ہو جائے، یہ کیفیت دیکھ کر ایک خلجی بچہ اس کے پیچھے ہو بیٹھا، اور گھوڑے کو مہمیز کر کے دشمنوں کے نرغے سے صاف نکال لے گیا، پھر تو باقی فوج کے قدم بھی اٹھ گئے، اور یہ ہزیمت خوردہ لشکر سخت تباہی کے بعد لاہور میں داخل ہوا۔

چندے قیام کر کے سلطان نے غزنی کی جانب کوچ کیا، اور وہاں پہنچ کر فراریوں کو سخت سخت سزائیں دیں، ظاہراً عیش و آرام کا نقشہ جمایا اور اپنے آپ کو بے پروا بنایا، لیکن خفیہ طور پر لشکر کی درستی اور سامانِ جنگ کے تہیے میں شب و روز مصروف رہا۔

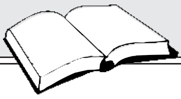
رائے پتھورا غنیم کے خطرے سے فارغ البال ہو کر فتح کا نقارہ بجاتا اپنی راجدھانی میں آ بیٹھا، اسی اثنا میں قنوج کے راجہ ''جے چند'' نے جگ راجسو کا ارادہ کیا، اس جشن کا آئین یہ تھا کہ گردونواح کے راجہ طلب ہوتے، ہر قسم کی خدمتیں اپنے ہاتھ سے بجالاتے، اسی جلسے میں راجہ کی لڑکی کا سوئمبر بھی قرار پایا تھا، رائے پتھورا اس تقریب کی شرکت پر آمادہ ہوا، اتفاقاً کوئی ہم نشیں بول اٹھا: ''چوہان کے ہوتے جے چند کو یہ حوصلہ زیب نہیں دیتا رائے کو بھی راجپوتی مڑک آ گئی، جانا ملتوی کر دیا۔

جے چند اس کے نہ آنے سے ایسا برہم ہوا، کہ رائے کی طلائی مورت بنوا کر جشن کے دنوں میں دربان کی جگہ کھڑی کر دی، جب سنا کہ اس کی ہتک اس طرح کی گئی ہے تو رائے کو تاب نہ رہی، کچھ جودھا جوان ہمراہ لے تماشائیوں کے لباس میں جا دھمکا، اور اس مورت کو بے دھڑک اٹھا لایا، قنوج والے دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

برق تھی، صرصر تھی، یا تھا زلزلہ ؎ واہ رے جانباز تیرا حوصلہ

راجہ کی دختر ''سنجوگی'' یہ داستان سن کر رائے کی دلیری پر شیفتہ ہوگئی، اور اس کے سوا کسی کو پسند نہ کیا، باپ سخت آزُردہ ہوا، دولت خانے سے نکال ایک جدا مکان میں اس کو نظر بند کر دیا، جب رائے کو یہ خبر لگی تو سو سانٹ ساتھ لے پھر، یکا یک قنوج پر ٹوٹ پڑا، اور دن دہاڑے ''سنجوگی'' کو لے چلا، فوج کے سورماؤں کی حمیت بھی جوش میں آئی، تعاقب کر کے راہ میں جالیا، وہ رن پڑا اور کھانڈا بجا کہ دلاوروں کے خون سے زمین رنگین ہوگئی؛ اگرچہ رائے کے سب جاں نثار کام آئے، الا اس لعل بے بہا کو ہاتھ سے نہ دیا، مرکٹ کر دلی تک لے ہی پہنچا۔

اس معرکے سے ایک سال بعد سلطان شہاب الدین نے پھر یورش کی؛ لیکن سردارانِ لشکر سے اپنا منصوبہ



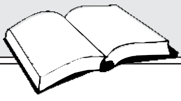
پوشیدہ رکھا، پشاور میں پہنچ کر ایک بوڑھے سپاہی نے عرض کیا: ''خداوند! اس لاؤلشکر سے تو کسی بڑی مہم کے آثار نظر آتے ہیں، پھر امرا سے اس راز کے مخفی رکھنے میں کیا مصلحت ہے''؟ سلطان نے آہ سرد بھر کر کہا: سُن پیرِ مرد! جس دن سے میں نے راجپوتوں کے مقابلے میں زک پائی، حریم دولت میں بستر کو پیٹھ نہیں لگائی، ہنوز وہ خون آلود پیراہن نہیں بدلا جو لڑائی کے وقت میرے تن پر تھا، آج تک ان امیروں کا منہ نہیں دیکھا جو مجھ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، اب غیرت کا تقاضہ یہ ہے کہ یا تو دشمن سے انتقام لوں، یا سر میدان لڑ کر جان دوں۔

پیرِ مرد نے دعائے خیر دے کر کہا: ''صلاحِ وقت یہ ہے کہ امرا کی تقصیر معاف فرمائیے، اُن کا رتبہ بڑھائیے؛ تا کہ آئندہ سُرخ رُو بنیں اور پچھلے قصور کا بدل کریں'' سلطان نے اُس کی صلاح مان لی، ملتان پہنچ کر ایک دربار کیا، لشکر کے سرداروں کو جمع کر کے ان کے حال پر مہربانی فرمائی اور اپنا منشا سمجھایا، سب نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر عہد و پیمان کو تازہ کیا۔

اب لاہور پہنچ کر رائے کے نام نامہ لکھا گیا کہ: ''یا تو ہماری اطاعت قبول کرو، یا جنگ و پیکار کے لیے تیار ہو جاؤ جب پیک سلطانی رائے کے در دولت پر حاضر ہوا، تو کسی کو تاب نہ تھی کہ یہ خبر گوش گزار کرے، چندا بھاٹ سات ڈیوڑھیاں طے کر کے راجہ کے حضور میں پہنچا، اور سلطان کی یورش کا حال بیان کر کے اس کو خواب غفلت سے بیدار کیا، رانی سنجوگنی بھی، جس کی بہ دولت رائے کی یہ بری گت ہوگئی تھی۔ کہنے لگی: ''اے راجہ بزم عیش ختم ہوئی، اب میدان رزم کو آراستہ کر، ملک وملت ترکوں کی ترک تاز سے بچا۔

الغرض رائے نے سلطان کے سفیر کو سخت جواب دے کر رخصت کیا، اور ہمہ تن جنگ کی تیاری میں مشغول ہوا، قرب و جوار کے راجاؤں کو خبر پہنچائی عرصہ قلیل میں لاکھوں سور ما راجپوت اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے، جب کوچ کی ساعت نزدیک پہنچی، رانی سنجوگنی نے اپنے ہاتھ سے زرہ بکتر پہنایا، ہتھیار بدن پر سجا رائے کا آخری دیدار دیکھا اور آنکھوں میں آنسو بھر لائی، ادھر کوچ کے نقارے پر چوب پڑی، اُدھر رانی کا کلیجہ ہل گیا؛ راجہ اہلِ خاندان کو وداع کر کے راجپوت سرداروں کے ساتھ رنجیت دروازے سے نکلا، لشکر کو کوچ کا حکم سنایا، اور منزل بہ منزل ''تھانیسر'' کے میدان میں جا پہنچا، دریائے سرستی کے وار پار دونوں لشکر خیمہ زن ہوئے۔

ایک رات سلطانی لشکر نے دریا کو عبور کر کے صبح دم طبل جنگ آ بجایا، راجپوتوں نے آنکھ کھولی تو غنیم کو سر پر موجود پایا، ایک گروہ نے جھٹ پٹ آگے بڑھ کر دشمن کو روکا، اتنے میں سارا لشکر صف بستہ ہو کر سامنے آ گیا۔ سلطان کا لشکر



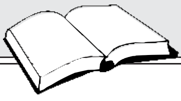
چار حصوں میں تقسیم تھا، ہر حصہ باری باری سے حملہ کرتا تھا؛ مگر دلاور راجپوت بھی ایسے جی توڑ کر لڑے کہ ترکوں کے دل میں ہیبت بیٹھ گئی، اب سلطان ظاہراً شکست کی صورت بنا کر پیچھے ہٹا، راجپوتوں نے جو تعاقب شروع کیا تو ان کی ترتیب درہم برہم ہوگئی، اس وقت سلطان نے پلٹ کر تازہ دم فوج سے پھر حملہ کیا لیکن یہ تدبیر بھی راست نہ آئی، فتح اور شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔

جب ہوا نہایت گرم ہوگئی اور سورج سر پر آ گیا، تو رائے نے درختوں کے سائے میں پناہ لی، ڈیڑھ سو راجہ مہاراجہ اس کے گرداگرد جمع ہوئے، سب نے تلواروں پر ہاتھ رکھ کر عہد و پیان کیا، آخر دم تک لڑنے کی قسم کھائی، شربت پیا، پان کا بیڑا چبایا، تلسی کے پتے زبان پر دھرے، پیشانی پر قشقہ زعفرانی کھینچا اور ذرا دم لیا۔

اب کسی قدر دن ڈھل گیا تھا کہ سلطان غوری بارہ ہزار سوار خاصہ لے کر اپنی جگہ سے ہلا؛ سواروں کے سروں پر مُرصع خود، بدن پر فولادی جوشن ایک ہاتھ میں تلوار، ایک ہاتھ میں نیزہ؛ باگیں اٹھائے، کنوتیوں سے کنوتیاں ملائے دریائے مواج کی طرح اُمنڈ آئے اس پر زور حملے نے راجپوتی سپاہ میں کچھ ایسا زلزلہ ڈالا کہ یکا یک ہوا پلٹ گئی، چشم زدن میں کچھ سے کچھ ہوگیا، وہ شاندار فوج جو پہاڑ کی طرح جمی کھڑی تھی دم کے دم میں تہ و بالا ہوگئی، بڑے بڑے نامی گرامی سردار میدان میں کام آئے، رائے پتھورا گرفتار ہو کر مارا گیا۔ جب سرداروں کا یہ حال ہوا تو بن سَری فوج کیا لڑتی، اور کس کا سہارا پکڑتی؟ جس طرف جس کا منہ اُٹھ گیا بھاگ نکلا۔

جہاں کل سپہ دار تھے حکم راں ۔۔۔ کھڑے تھے جہاں ترچھے بانکے جواں
جہاں کل تھے فیلاں جنگی ہزار ۔۔۔ کداتے تھے گھوڑے جہاں شہسوار
جہاں پاسباں کل تھے للکارتے ۔۔۔ پرندے بھی ڈرتے تھے پر مارتے
وہاں آج لاشوں کے انبار ہیں ۔۔۔ پڑے ہر طرف سینہ افگار ہیں
وہ سر جس پہ تھا کل جواہر کا تاج ۔۔۔ وہ ہے خاک اور خوں میں آلودہ آج

رانی سنجوگنی دم دم کی خبریں منگاتی تھی، جب اس حادثہ جانگاہ کی سناؤنی آئی تو اس نے زندگی پر موت کو ترجیح دی، چتا میں بیٹھ اپنے تن نازنیں کو آتش سوزاں کے حوالے کیا، تھوڑی دیر میں مشت خاکستر کے سوا اس کا کچھ نام و نشان باقی نہ رہا۔



تاسحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے او باد صبا! یاد گار رونق محفل تھی پروانے کی خاک

اس طرح دولت چوہان کا خاتمہ اور غوریوں کی سلطنت کا آغاز ملک ہند میں ہوا۔

(۴۲) کوہ ہمالیہ

ہے ہمالہ پہاڑ سر جیون جس کے اوپر تلے کھڑا ہے بن

بیل بوٹوں سے بن رہا ہے چمن سبز چوٹی ہرے بھرے دامن

ہے ہر ایک ڈھانگ اس کی پھلواری سرد چشمے جہاں تہاں جاری

لالہ خود رو ہے اور اس کے پاس لہلہاتی ہے خوب صورت گھاس

سیکڑوں قسم کے ہیں پھول کھلے پیڑ با ہم کھڑے ہوئے ہیں ملے

کہیں بن مالنا کہیں بیلا کہیں اخروٹ اور کہیں کیلا

سال کا کیا ہی خوب جنگل ہے سورماؤں کا بن کے دنگل ہے

سرد شمشاد ہیں قطار قطار ریچھ پھرتے ہیں جن کے چوکیدار

ہیں چٹانوں پر کودتے لنگور ایک ہی جست میں وہ پہنچے دور

ہیں ترائی میں ہاتھیوں کے غول کوئی پاگل ہے اور کوئی نجھول

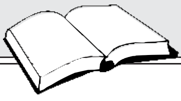
شیر خون خوار شاہ ہے یاں کا پاڑھے چیتل کو خوف ہے جاں کا

بارہ سنگے غریب پر ہے لتاڑ سینگ ہیں اس کے جھاڑ اور جھنکاڑ

وہ جو ہے ہند کا بڑا ساگر واں سے چلتا ہے ابر کا لشکر

کوچ در کوچ روز بڑھتا ہے پھر ہمالہ پر آکے چڑھتا ہے

کبھی دیتا ہے باندھ مینہ کا تار کبھی کرتا ہے برف کی بھرمار



تھا چڑھا یوں پہاڑ پر پانی — کی ہے قدرت نے کیا ہی آسانی

واں سے چشمے بہت اُبل نکلے — ندی نالے ہزار چل نکلے

سندھ وستلج ہیں مغربی دریا — اور پورب میں میگھنا، گنگا

ہیں یہ دریا بہت بڑے چاروں — جن میں بہتا ہے پانی الغاروں

پس سمندر سے جو رسد آئی — یوں ہمالہ نے بانٹ کر کھائی

ہوا سر سبز ہند کا میدان — تیری حکمت کے اے خدا قربان

ہند کی سر زمین ہے ان ماتا — اور ہمالہ پہاڑ جل داتا

اے ہمالہ! پہاڑ تیری شان — دنگ رہ جائے دیکھ کر انسان

ساری دنیا میں ہے تو ہی بالا — پہنچے جب پاس دیکھنے والا

سامنے اک سیاہ دل بادل — دیو کی طرح سے کھڑا ہے اٹل

گھائیاں جن میں گونجتی ہے صدا — آبشاروں کا شور ہے برپا

دبدبہ اپنا تو دکھاتا ہے — گویا میدان کو ڈراتا ہے

ہے مرے دل میں یہ خیال آتا — کاش چوٹی یہ تیری چڑھ جاتا

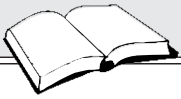
واں سے نیچے کا دیکھتا میداں — جس میں گنگ وجمن ہیں تیز رواں

لکیریں ہی وہ نظر آئیں — دائیں بائیں و صاف لہرائیں

اس تماشے سے جب کہ جی بھرتا — تو شمالی طرف نظر کرتا

شام کو دیکھتا بہار بڑی — گویا سونے کی ہے فصیل کھڑی

پھر وطن میں جب آن کر رہتا — پھر دوستوں سے یہ ماجرا کہتا



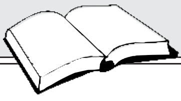
(۴۳) تحمل اور وفائے وعدہ

ایک بار ''سلطان فیروز تغلق'' نے ''بنگالہ'' پر فوج کشی کی تھی، اس مہم میں اس کا بیٹا ''فتح خان'' بھی ہم رِکاب تھا، اگر چہ شاہزادہ صغیر سِن تھا؛ مگر اور بچوں کی طرح اس کو لہو ولعب کا شوق بالکل نہ تھا، صبح سے دو پہر تک اور شام سے پہر رات گئے تک نوشت وخواند میں مصروف رہتا، مجلس داری اور سواری کے اوقات میں جو امور پیش آتے ان کو اس خوبی سے فیصل کرتا کہ بڑے بڑے ذی عقل وسن رسیدہ حیران رہ جاتے۔

ایک روز نیند کا غلبہ ہوا، مکتب سے اٹھ محلِ خاص کو چلا، راہ میں ایک پیرزال دُہائی دیتی سامنے آئی، اور کہا: ''میرا شوہر اور لڑکا سنار گاؤں سے کچھ مال خرید کر سلطانی لشکر میں بیچنے کو لا رہے تھے، یکا یک ڈاکو ٹوٹ پڑے اور سب مال و متاع لوٹ لیا، جب وہ مصیبت کے مارے لٹ پٹ کر شاہی لشکر کے قریب پہنچے ہیں تو سپاہیوں نے جاسوسی کے شبہے میں گرفتار کرلیا: اب یہ بے کس، بے وارثی بڑھیا دادخواہی کے لیے تیرے پاس آئی ہے۔

نیک بخت شہزادہ تو بڑھیا کا دردناک ماجرا سن کر بہت کُڑھا، اور بولا: اچھا مائی! اگر سچی ہے تو دو گواہ لا جو تیرے بیان کی تصدیق کریں بڑھیا بولی: بیٹا! گواہ تو بہت ہیں! پر میں ڈرتی ہوں کہ آنے جانے میں دیر لگی تو پھر تم تک رسائی دشوار ہوگی شہزادے نے ہنس کر کہا: ''خیر میں اسی جگہ کھڑا ہوں، تم جاؤ اور اپنے گواہ لاؤ''۔

غرض بڑھیا چلی گئی اور شہزادہ منتظر کھڑا رہا، خادموں نے عرض کیا کہ: مبادا تمازت آفتاب باعث مضرت ہو، اگر فلاں درخت کے سائے میں قیام کیجیے تو مناسب ہے مگر شہزادے نے وہاں سے قدم اٹھانا خلاف وعدہ سمجھا، دھوپ کی سختی کو برداشت کیا اور وہیں کھڑے کھڑے بڑھیا کے گواہوں کا بیان سنا، اور جب یقین ہوگیا کہ بڑھیا سچی ہے تو اس کو ساتھ لے کر باپ کے پاس گیا؛ لیکن بادشاہ سوتا تھا اس لیے شہزادے کو اس وقت تک انتظار کرنا پڑا جب تک کہ وہ بیدار ہو، اور کیفیت واقعہ سن کر ان دونوں کی رہائی کا حکم دیا۔ اس کام میں شہزادے کو اتنی دیر لگی کہ اس دن دوپہر کا کھانا قریب شام کے کھایا، اگر وہ صبر تحمل کے ساتھ اس تکلیف کو گوارہ نہ کرتا تو وہ لازوال خوشی جو ایک مظلوم کی دادرسی سے حاصل ہوئی کھانے اور سونے سے ہرگز نصیب نہ ہوتی۔



(۴۴) کچھوا اور خرگوش

ایک کچھوے کے آگئی جی میں
کیجیے سیر و گشت خشکی میں

جا رہا تھا چلا ہوا خاموش
اس سے ناحق اُلجھ پڑا خرگوش

میاں کچھوے ! تمھاری چال ہے یہ
یا کوئی شامت اور وبال ہے یہ

یوں قدم پھونک پھونک دھرتے ہو
گویا اُتو زمیں پہ کرتے ہو

کیوں ہوئے چل کے مفت میں بدنام؟
کیا چلے بن اٹک رہا تھا کام؟

تم کو یہ حوصلہ نہ کرنا تھا
چلو پانی میں ڈوب مرنا تھا

یہ تن و توش اور یہ رفتار
ایسی رفتار خدا کی مار

بولا کچھوا کہ: ہوں خفا نہ حضور!
میں تو ہوں آپ معترف بہ قصور پر

اگر آہستگی ہے جرم و گناہ
تو میں خود اپنے جرم کا ہوں گواہ

مجھ کو جو سخت وست فرمایا
آپ نے سب درست ست فرمایا

مجھ کو غافل مگر نہ جانیے گا
بندہ پرور! بُرا نہ مانیے گا

یوں زبانی جواب تو کیا دوں
شرط بد کر چلو تو دکھلا دوں

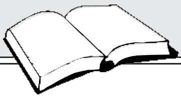
تم تو ہو آفتاب، میں ذرہ
پر مٹادوں گا آپ کا غرہ

سن کے خرگوش نے یہ تلخ جواب
کہا کچھوے سے یوں زروئے عتاب

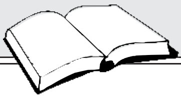
تو کرے میری ہمسری کا خیال!
تیری یہ تاب، یہ سکت، یہ مجال!

چیونٹی کے جو پر نکل آئے
ہے یقیں عن قریب اجل آئے

ارے بے باک بد زباں! منہ پھٹ!
تو نے دیکھی کہاں ہے دوڑ جھپٹ



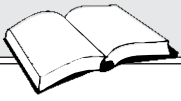
جب میں تیزی سے جست کرتا ہوں | شہ سواروں کو پست کرتا ہوں
گرد کو میری باد پا نہ سکے | لاکھ دوڑے مرا پتہ نہ لگے
ریل ہوں، برق ہوں، چھلا واہوں | بلکہ میں ریل کا بھی باوا ہوں
تیری میری بنے گی صحبت کیا؟ | آسماں سے زمیں کو نسبت کیا
جس نے بھکتے ہوں ترکی و تازی | ایسے مزیل سے کیا بدے بازی
بات کو اب زیادہ کیا دوں طول | خیر کرتا ہوں تیری شرط قبول
ہے مناسب کہ امتحاں ہو جائے | کہ عیب و ہنر عیاں ہو جائے
الغرض اک مقام ٹھہرا کر | ہوئے دونوں حریف گزمِ سفر
بسکہ زوروں پہ تھا چڑھا خرگوش | تیزی پھرتی سے یوں بڑھا خرگوش
جس طرح جائے توپ کا گولا | یا گرے آسمان سے اولا
ایک دو کھیت چوکڑی بھر کے | اپنی چستی پہ آفریں کر کے
کسی گوشے میں سوگیا جاکر | فکر کیا ہے چلیں گے ستا کر
کچھوا غریب آہستہ | چلا سینے کو خاک پر گھستا
سوئی گھنٹے کی جیسے چلتی ہے | یا بہ تدریج چھاؤں ڈھلتی ہے
یوں ہی چلتا رہا بہ استقلال | نہ کیا کچھ اِدھر اُدھر کا خیال
کام کرتا رہا جو پے در پے | کر گیا رفتہ رفتہ منزل طے
اخیف خرگوش رہ گیا سوتا | ثمرہ غفلت کا اور کیا ہوتا!
جب کھلی آنکھ تو سویرا تھا | سخت شرمندی نے گھیرا تھا



صبر و محنت میں ہے سَرا ف رازی ست کچھوے نے جیت لی بازی
نہیں قصہ یہ دل لگی کے لیے بلکہ عبرت ہے آدمی کے لیے
ہے سخن اس حجاب میں رو پوش ورنہ کچھوا کہاں،کہاں خرگوش

(۴۵) بے فائدہ کوشش

تھی شام قریب اور دہقاں میداں میں تھا گلہ کا نگہباں
دیکھی اس نے کمان ناگاہ جو کرتی ہے مینہ سے ہم کو آگاہ
رنگت میں اسے عجیب پایا ظاہر میں بہت قریب پایا
پہلے سے وہ سن چکا تھا اکثر ہے قوس میں اک پیالہ زر
مشہور بہت ہے یہ کہانی افسانہ تراش کی زبانی
ملتی ہے جہاں کماں زمیں سے ملتا ہے وہ جامِ زرو ہیں سے
سوچا، لو جام اور بنوجم چھوڑو بز و گوسفند کا غم
بیہودہ ہ گنوار اس گماں سیدھا گیا تیر سا کماں پر
دن گھٹنے لگا قدم بڑھایا امید کہ اب خزانہ پایا
جتنی کوشش زیادہ تر کی اتنی ہی کماں پرے کو سر کی
پنہاں ہوئی قوس آخر کار اور ظلمتِ شب ہوئی نمودار
ناکام پھرا وہ سادہ دہقاں حسرت زدہ، غم زدہ، پشیماں



(۴۶) سیر عمارت و چمن

سفید ایک دیکھی عمارت بلند کہ
تھی نور میں چاندنی سے دو چند

وہ نکھرا فلک اور وہ مہ کا ظہور
لگا شام سے صبح تک وقت نور

ہر اک سمت واں نور کا ازدحام
لگے آئینے قد آدم تمام

اب نہر پر صاف جو غور کی
تو پڑی تھی وہ ایک باور کی

پڑے اس میں فوارے چھٹتے ہوئے
ہوا بیچ موتی سے لٹتے ہوئے

بنی سنگ مرمر سے چوپڑا کی نہر
گئی چارسو اس کے پانی کی لہر

قرینے سے گرد اس کے سر و سہی
کچھ اک دور دور اس سے سیب وبہی

چمن سارے شاداب اور ڈنڈ ہے
ہوائے بہاری سے گل لہلہے

چمن سے بھرا باغ گل سے چمن
کہیں نرگس و گل کہیں یاسمن

چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا
کہیں رائے بیل اور کہیں موگرا

خراماں صبا صحن میں چار سو
دماغوں کو دیتی ہراک گل کی بو

چمن آتش گل سے دہکا ہوا
ہوا کے سبب باغ مہکا ہوا

(۴۷) جنگل اور چاندنی رات

وہ سنسان جنگل و نورِ قمر
وہ براق سا ہر طرف دشت و در

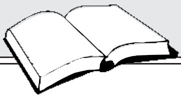
وہ اجلا سا میداں چمکتی سی ریت
اُگا نور سے چاند تاروں کا کھیت

درختوں کے پتے چمکتے ہوئے
خس و خار سارے جھمکتے ہوئے

درختوں کے سائے سے مہ کا ظہور
گرے جیسے چھلنی سے چھن چھن کے نور

نظر جو کہ پڑتی تھی بوٹی جڑی
سو وہ عالم وجد میں تھی کھڑی

درختوں سے لگ لگ کے بادِ صبا
لگی بولنے وجد میں واہ وا



(۴۸) جلال الدین محمد اکبر

تیموری نسل میں ''اکبر'' بڑا نامور اور ہر دل عزیز بادشاہ گزرا ہے، اس کا باپ ''ہمایوں ابن بابر'' اور ماں ''حمیدہ بیگم'' تھی۔

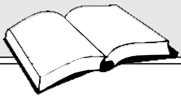
جن دنوں ''ہمایوں شیر شاہ سوری'' سے ہزیمت پا کر ہندوستان کی مغربی حدود میں پڑا پھرتا تھا، اور مصیبت وصعوبت کی گھٹا اس پر چھائی ہوئی تھی، یکا یک ''سندھ'' کے ریگستان میں خوشی وخرمی کا آفتاب چمکا، یعنی ۹۴۹ھ میں رجب کی پانچویں تاریخ شب یک شنبہ (اتوار) کو حصار امرکوٹ کے اندر اکبر کی ولادت ہوئی۔

کچھ عرصہ بعد ہمایوں ''قندھار'' کی سرحد میں داخل ہوا؛ مگر اپنے بھائی ''کامران'' کے خوف سے مع حمیدہ بیگم اور چند رفقائے جاں نثار کے کام ناکام ایرانی عملداری میں بھاگ گیا، اکبر اپنی انا اور خدام سمیت چچا کی حراست میں پڑ گیا، اور ''کابل'' میں پرورش پاتا رہا۔

ہمایوں نے دو برس کے بعد شاہ ایران کی کمک سے ''افغانستان'' کو فتح کیا، اس وقت ماں باپ نے اکبر کو پھر دیکھا، جس کی عمر اب دو سال نو مہینے آٹھ دن کی ہوگئی تھی؛ اسی اثنا میں کامراں کابل پر دوبارہ قابض ہوگیا، جب ہمایوں نے محاصرہ کر کے قلعہ پر گولہ باری کا حکم دیا، تو سنگ دل مرزا نے معصوم بھتیجے کو مورچہ پر لا بٹھایا، جہاں گولے گولیوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی، لیکن خدا کے فضل سے اکبر کو کچھ گزند نہ پہنچا؛ البتہ ہمایوں کی توپوں کا منہ بند ہوگیا۔

آخر کار ہمایوں نے سب خرخشوں کو مٹا کر دس برس تک صرف افغانستان پر قناعت کی، اس عرصے میں اکبر نے ہوش سنبھالا، اور صید افگنی وسپہ گری کے فنون میں مہارت حاصل کی؛ الا نوشت وخواند سے محض بے بہرہ رہا۔

۱۵۵۶ء میں ہمایوں نے ''دلی'' اور ''آگرہ'' پر دوبارہ تسلط کیا؛ مگر چھ مہینے بعد کتب خانے کے زینے سے گر کر وفات پائی، اس وقت اکبر کے سر پر تاج شاہی رکھا گیا، اس کی عمر صرف تیرہ برس چار مہینے کی تھی، پس اس کی نوعمری کے باعث ''بیرم خان'' مدار المہام سلطنت مقرر ہوا جو پہلے سے اتالیق بھی تھا۔ جب اکبر اٹھارہ برس کا ہوگیا، تو بیرم خان کی خودرائی سے ناراض ہو کر عنان سلطنت خود اپنے ہاتھ میں لے لی، اور اپنی مردانگی اور فرزانگی سے ہندوستان کے خودسر صوبوں کو مطیع ومسخر کر کے بڑے جاہ وجلال کے ساتھ فرماں روائی کی؛ آخر ۱۶۰۵ء میں وفات پائی اور آگرہ کے قریب ''سکندرہ'' میں مدفون ہوا۔

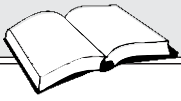


یہ بادشاہ شکیل و وجیہ تنومند، قومی اور چست و چالاک تھا، اکثر اوقات ہر مذہب کے علما سے صحبت رکھتا، خاص کر پنڈتوں سے؛ اگر چہ محض اُمّی تھا مگر اس کی گفتگو ایسی سنجیدہ تھی کہ کسی کو اس کے امی ہونے کا شبہ نہ ہوتا تھا سنسکرت زبان کو بہ خوبی سمجھ لیتا، الا بول نہ سکتا نظم ونثر کی باریکیوں کو خوب پہچانتا۔

باوجود ایسی عظیم الشان سلطنت کے نہایت منکسر اور متواضع تھا، اپنے آپ کو کمترین مخلوقات جانتا اور یادِ حق سے بھی غافل نہ رہتا، شب بیدار و کم خواب تھا، رات دن میں ڈیڑھ پہر سے زیادہ نہ سوتا، سال میں نو مہینے طعام صوفیانہ کھاتا، قتل حیوانات کو مطلق پسند نہ کرتا، چناں چہ بعض دنوں اور مہینوں میں عام ممانعت تھی صلح کل اس کا شیوہ تھا، ہر ملت و مذہب کے لوگوں کو اس کے ممالک محروسہ میں آزادی تھی، سب اپنے اپنے طریق پر عبادت کرتے کوئی کسی کا مزاحم نہ ہوتا۔

دلیر و دلاور ایسا کہ مست وسرکش ہاتھیوں پر سواری کرتا، جب کوئی خونی ہاتھی چھوٹا، تو کسی دیوار یا درخت پر چڑھ کر اس کی پشت پر کود پڑتا اور اس کو زیر کرتا، ایک بار حدود گجرات میں بغاوت ہوگئی، مرزا۔ جو اس نواح کا گورنر تھا۔ قلعہ احمد آباد میں گھر گیا، یہ خبر دار الخلافہ میں پہنچی تو مرزا کی ماں ''جیجی آنکہ'' نہایت مضطرب ہوئی، اکبر کو اپنی آنکہ کی خاطر بہت عزیز تھی، اسی وقت جنگ آزمودہ رفقا کی ایک قلیل جماعت فراہم کر کے فتح پور سے کوچ بول دیا، اور آندھی بجلی بن کر گجرات کی طرف اُڑا، گھوڑے اونٹ اور گھوڑ بہل کی سواری میں دو مہینے کی راہ نو دن کے اندر طے کر کے دفعتاً نیم کے سر پر جا پہنچا بعض خیر اندیشوں نے شبخون کی صلاح دی لیکن اس کی ہمت عالی کب مانتی تھی! فوراً کوسِ جنگ بجوایا، اور ڈنکے کی چوٹ حملے کا حکم دیا، سابرمتی ندی بیچ میں حائل تھی، سب سے پہلے بادشاہ نے اپنا گھوڑا ڈالا، پھر کس کو تاب تھی جو توقف کرتا؟ فرض پار اتر کر جنگ عظیم کے بعد دشمن کو اسی روز مار بھگایا، اور مرزا عزیز کو نرغے سے چھڑایا۔

تخت نشینی سے چند سال بعد کا ذکر ہے، کہ ایک امیر مسمی ''ادہم خاں'' نے اکبر کے رضاعی باپ ''آنکہ خاں'' کو حسد کے مارے عین دربار میں قتل کر ڈالا، اور برہنہ شمشیر ہاتھ میں لیے حریم شاہی میں جا گھسا، اکبر خواب راحت میں تھا، مستورات کے شور وغل سے آنکھ کھل گئی، فوراً کمرے سے باہر آیا اور ادہم خاں کو آمادہ گستاخی دیکھ کر خالی ہاتھ آگے بڑھا، اور اس کے گلے پر ایسا مکا لگایا کہ وہ چکرا کر گر پڑا، اُسی دم لوگوں نے اس کی مشکیں کس لیں، اور حکم شاہی کے بہ موجب چبوترے سے سرنگوں گرا کر مار ڈالا۔



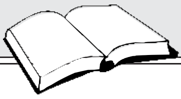
اکبر کی طبیعت میں شجاعت وجلالت کے ساتھ رحم دلی، علم اور شفقت ومروت بھی بہت تھی، عفوِ جرائم کو دوست رکھتا، نادم خطا کاروں سے ہمیشہ درگذر فرماتا، مغلوب دشمن پر رحم کرتا، جلوس کا اول سال تھا کہ پانی پت کے میدان میں ''ہیمون بقال'' سے بڑا معرکہ پڑا، ناگاہ ہیمون کی آنکھ میں تیر کاری لگا، جس کے لگتے ہی لڑائی کا فیصلہ ہوگیا: ''بیرم خان'' نے عرض کیا کہ حضرت اپنے دست مبارک سے اس گردن زنی کا کام تمام کردیں؛ لیکن اکبر کی ہمت نے ایک مجبور قیدی کے خون سے تیغ شاہی کو آلودہ کرنا پسند نہ فرمایا ''محمد حسین مرزا''، جو گجرات کی بغاوت کا بانی تھا، جس وقت میدان جنگ سے گرفتار ہوکر آیا ہے تو شاہی خدام سے پانی مانگا، کسی نے نہ دیا، اکبر نے یہ بات سن پانی فوراً آب خاصہ طلب کیا اور اپنے جانی دشمن کی پیاس بجھائی۔

(۴۹) بنائے قلعۂ آگرہ

دسویں سال جلوس کے آغاز میں دارالخلافہ ''آگرہ'' کے اندر، جو بہ منزلۂ مرکز ہندوستان ہے، مصالح ملکی کے لحاظ سے ایک عالی شان قلعے کی تعمیر کا حکم دیا، لودیوں کا قلعہ، جو بہت پرانا ہوگیا تھا، ڈھا دیا گیا، اور اسی موقع پر نئے سنگین قلعے کی بنیاد ڈالی گئی، عرض دیوار تیس گز اور ارتفاع ساٹھ گز قرار پایا، چار دروازے رکھے گئے، ہر روز تین چار ہزار آدمی مہندس ومعمار، سنگ تراش اور مزدور کام کرتے تھے، یہ سنگ سرخ کا قلعہ مع فصیل وبُرج وغیرہ آٹھ برس کی مدت میں قائم خاں میر بر وبحر کے اہتمام سے تمام ہوا۔

(۵۰) فتح پور سیکری

''قصبہ سیکری''میں، جو آگرہ سے بارہ کوس کے فاصلے پر سمت مغرب کو واقع ہے، شاہزادہ سلیم پیدا ہوا تھا، اکبر نے اس مقام کو مبارک سمجھ کر دارالسلطنت بنانے کے لیے پسند کیا، ۹۷۹ھ میں حکم شاہی کے مطابق ایک عالی شان قلعہ اور دیگر شاہی عمارتیں تیار ہونے لگیں، پھر تو تمام امرا اور ارکانِ دولت اور ہر کہ ؤ مہ نے اپنے اپنے رتبے اور حوصلے کے لائق حویلیاں بنائیں، کچھ مدت میں ایک عمدہ شہر بن گیا، جس میں مسجدیں، مدرسے، خانقاہیں، حمام، سنگین بازار، باغ وچمن بہتر سے بہتر موجود تھے؛ فتح دکن کے بعد اس شہر کا نام ''فتح پور'' رکھا گیا، اور اب تک اسی نام سے مشہور ہے۔



(۵۱) بیرم خان

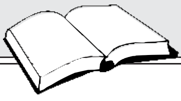
’’بیرم خان‘‘ ایک ترک تا تاری تھا، جب ہمایوں نے قنوج کے معرکے میں شکست کھائی تو بیرم ’’سنبھل‘‘ کی طرف بھاگا، اور راجہ ’’مترسین‘‘ زمین دار کے پاس پناہ لی، شیر شاہ نے جبرا بلوایا، بہت خاطر داری کی اور اپنی رفاقت پر مائل کیا، گو ناگاہ وہ شیر شاہ کا مطیع ہوگیا مگر اپنے مصیبت زدہ آقا کی یاد میں اس کا دل بے قرار تھا۔

’’برہان پور‘‘ کے ڈیروں سے بیرم خان اور ابوالقاسم حاکم گوالیار دونوں ایکا کر کے بھاگ نکلے، اثنائے راہ میں شیر شاہ کے سفیر نے گرفتار کرلیا، ابوالقاسم شکل وصورت کا اچھا تھا، دشمن سمجھے کہ بیرم خاں یہی ہے مگر بیرم نے از راہ جواں مردی خود کہہ دیا کہ بیرم میں ہوں۔

ابوالقاسم کی مروت نے تقاضہ نہ کیا کہ خود بچے اور رفیق کو گرفتار ہو جانے دے، بولا ’’یہ میرا خدمت گار ہے؛ مگر بڑا وفادار ہے، میرے بدلے جاں نثاری کو تیار ہے، اس کو کہنے دو، بیرم میں ہی ہوں‘‘ الغرض ابوالقاسم تو مارا گیا، اور بیرم وہاں سے چھوٹ کر گجرات پہنچا، سلطان محمود گجراتی نے ہر چند ٹھہرایا؛ مگر وہ نہ ٹھہرا،، سیدھا ہمایوں کی طرف چلا، جس وقت یہ پہنچا تو ہمایوں کا ٹوٹا پھوٹا لشکر لڑائی میں مصروف تھا، بیرم چپ چاپ ان میں جا ملا اور آگے بڑھ کر دشمنوں سے خوب لڑا، لوگوں کو حیرت تھی یہ کون ہے؟ جب معلوم ہوا کہ بیرم ہے تو سارے لشکر میں ایک شور مچ گیا، اور ہمایوں کو اس کے آجانے سے بڑی مسرت ہوئی۔

آخر الامر ہمایوں کے ساتھ ساتھ ایران پہنچا، شاہ ایران نے اس کو ’’خانی‘‘ کا خطاب دیا، بیرم بڑا جنگ جو سپاہی نہ تھا؛ بلکہ اچھا شاعر اور انتظام مملکت سے خوب ماہر تھا، اس کی دانش مندی اور جواں مردی سے ہمایوں کو ہند کی سلطنت دوبارہ نصیب ہوئی۔

جب اکبر تخت نشین ہوا تو بیرم خان کو ’’خان بابا‘‘ کا خطاب دیا مگر اس کی سخت گیری، تند مزاجی اور نخوت سے سب درباری تنگ آگئے تھے، انھوں نے اکبر کو سمجھا بجھا کر اس کے سب اختیارات چھنوا دیے، پھر تو اس نے علانیہ بغاوت کی مگر زَک پائی، اور عفوِ تقصیر کے بعد حج کے ارادے سے روانہ ہوا، گجرات میں پہنچ کر ایک دشمن کے ہاتھ سے مارا گیا۔



(۵۲) ابوالفضل

اکبر کے مشیروں میں ''ابوالفضل'' بڑا عالم، زبردست منشی اور عالی دماغ مورِخ تھا، بادشاہ کا وزیر اعظم بھی تھا اور سپہ سالار بھی، وہ دکن کی مہم سے تھوڑی سی فوج کے ساتھ واپس آ رہا تھا، شاہزادہ سلیم کے اشارے سے ایک ''بندیل کھنڈی راجہ'' نے یکا یک حملہ کیا، ہمراہی پریشان ہو گئے؛ مگر ابوالفضل نے بھاگنے کو عار سمجھا، اور سپاہیانہ طور سے میدانِ جنگ میں لڑ کر مارا گیا۔

اس کی تصنیفات سے ''تاریخ اکبر نامہ'' ہے، جس میں چغتائی خاندان کے کُل بادشاہوں کا حال مجمل اور اکبری عہد کے واقعات مفصل لکھے ہیں، ''آئین اکبری'' میں سلطنت کے ہر صیغے کا حال اور ہر قسم کے انتظامات کی کیفیت بھی تفصیل دار درج کی ہے۔

(۵۳) فیضی

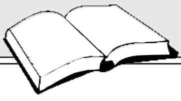
''ابوالفیض فیضی''، ابوالفضل کا بڑا بھائی اور اکبر کا مشیر، ایک نامور شاعر اور جید عالم تھا، سنسکرت کے علمِ ادب میں بڑی لیاقت حاصل کی تھی، اور اس زبان کی چند مشہور کتابوں کا ترجمہ بھی فارسی میں کیا۔

اکبر گو ناخواندہ تھا، مگر وہ علم وکمال کا بڑا شائق تھا؛ چناں چہ ایک سررشتہ سنسکرت سے ترجمہ کرنے کا قائم کیا، جس کا مہتمم فیضی تھا۔ جب فیضی نے رحلت کی ہے تو اس کے ذاتی کتب خانے کی فہرست مرتب کی گئی مختلف علوم وفنون کی چار ہزار ساٹھ کتابیں نکلیں جن کو اس نے خود صحیح کیا تھا۔

(۵۴) راجہ ٹوڈرمل

''راجہ ٹوڈریل'' بھی دربارِ اکبری کا رکن اعظم تھا، وہ قومِ کھتری کے ایک غریب خاندان میں پیدا ہوا، عہد طفولیت ہی میں یتیمی کی مصیبت پڑی، بیوہ مفلس ماں نے بہت سختیاں جھیل کر اس کو پرورش کیا۔

جوان ہو کر محرران شاہی کے زمرے میں داخل ہوا، حساب کتاب میں نہایت ہوشیار بلکہ یگانۂ روزگار تھا، حسن لیاقت اور کاردانی وکارگزاری کی بہ دولت روز افزوں ترقی کرتا رہا، یہاں تک کہ شاہی وزارت کا رتبہ اور سپہ سالاری کا منصب پایا۔



کل ممالک محروسہ کی پیائش اسی کے اہتمام وانتظام سے ہوئی، صوبوں کی حد بندی اور جمع کا کام نہایت خوبی سے انجام دیا، وہ سالہ بندوبست اس کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔

وہ محض منشی اور محاسب ہی نہ تھا؛ بلکہ نہایت دلا اور سپاہی اور مرد میدان بھی تھا، بنگال، بہاراور گجرات کی فتوحات میں اس نے بڑے بڑے کام کیے۔

وہ اپنے مذہبی مراسم کا بڑا پابند تھا، اکبر کئی بار جھنجھلایا بھی، لیکن اس نے اپنے معمول میں بھی فرق نہ آنے دیا، بمقام لاہور بیمار ہوکر راہی ملک عدم ہوا۔

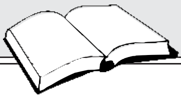
(۵۵) راجہ بیربل

یہ راجہ اکبر کا بڑا جلیس وانیس اور ہمدم وہم نشین تھا؛ ہندی زبان کا عمدہ شاعر، نہایت خوش مزاج، بڑا حاضر جواب، تیز طبع اور لطیف وظریف آدمی تھا، اس کے سیکڑوں لطیفے اب تک زبان زد خاص وعام ہیں، فیاضی وسخاوت میں بھی بے مثل و بے نظیر تھا۔

قوم یوسف زئی کے مقابلے میں لشکر لے کر گیا تھا، ایک درے میں گر کر سارا لشکر تباہ ہوگیا، راجہ بھی وہیں کام آیا، اکبر نے اس کے مرنے کا بڑا ماتم والم کیا، اس دن سے بادشاہ کی بزمِ عیش بھی پھیکی پڑ گئی، اکثر کہا کرتے تھے کہ: لطف صحبت تو بیربل کے ساتھ رخصت ہوا۔

(۵۶) ترک تکبر

بلندی سے چلا سیلاب پر زور — پہاڑی گھاٹیوں میں مچ گیا شور
ہوا اس تیزی و تندی سے جاری — کہ تھا سنگِ گراں پر ہول طاری
شجر تو کیا اٹھاتے اس کی ٹکر — بہم ٹکرا دیے پتھر سے پتھر
غرض ڈھایا بہایا اور توڑا — پڑا جو سامنے اس کو نہ چھوڑا
چلا وادی کی جانب موج در موج — جلو میں تھی خس و خاشاک کی فوج



اسی زمرے میں اک لکڑی بھی بہتی   چلی جاتی تھی اور یوں دل میں کہتی

میں راہ ورسم منزل سے ہوں آگاہ   یہ سارا قافلہ ہے میرے ہمراہ

اشاروں پر مرے چلتا ہے پانی   ہے میرے بس میں دریا کی روانی

مرے دم سے رواں یہ کارواں ہے   مرا تابع ہے جو کوئی یہاں ہے

قضارا موج نے پلٹا جو کھایا   تو اک پتھر نے لکڑی کو دبایا

کہا جھنجھلا کے اوگستاخ، مغرور!   مرے دامن سے اپنا ہاتھ رکھ دور

کہ میں ہی بدرقہ ہوں رہنما ہوں   امیر بحر ہوں اور ناخدا ہوں

مجھے او بے ادب! کیوں تو ے چھیڑا   جو میں ڈوبی تو بس ڈوبا یہ بیڑا

رکوں گی میں، تو رک جائے گا دریا   کُڑھے گا اور پچھتائے گا دریا

کہا ساحل سے کر تو عرض احوال   کہ اس جرگہ میں ہے پیر کہن سال

کہی لکڑی نے ساحل سے وہی بات   تو ساحل نے صدا یوں دی کہ ہیہات

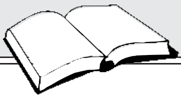
ہزاروں مدعی آگے بھی آئے   بہت جوش و خروش اپنے دکھائے

گیا سالم نہ کوئی اس بھنور سے   یہی دیکھا کیا ہوں عمر بھر سے

ہوئے یاں غرق لاکھوں تجھ سے فرعون   نہ پوچھا پھر کسی نے یہ کہ تھے کون

مگر دریا کی باقی ہے وہی آن   وہی رونق، وہی عظمت، وہی شان

نہیں دریا کی مواجی میں کچھ فرق   اُسے کیا غم ترے کوئی کہ ہو غرق



(۵۷) سرکشی کا ثمرہ

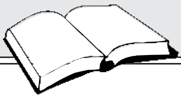
ایک روز بدن کے تمام اعضاء متفق ہوکر معدے کا گلہ کرنے لگے کہ: ''ہم کماتے کماتے تھکے جاتے ہیں، اور یہ نِکھٹو تو معدہ مفت میں ہماری کمائی ہضم کر جاتا ہے'' آخر سب نے اس کی اطاعت سے سرکشی کی: پاؤں نے رفتار، ہاتھوں نے کاروبار ترک کیا، آنکھوں نے بصارت سے آنکھ چرائی، کان سماعت سے بے بہرہ ہو گئے، ناک نے سونگھنا، زبان نے چکھنا چھوڑ دیا۔

جب اعضا کی نافرمانی اس حد کو پہنچی کہ ہر ایک نے اپنا اپنا کام بند کر دیا، تو غریب معدے کو غذا کہاں سے میسر ہوتی؟ کچھ عرصے تک بے آب و دانہ صبر کیے پڑا رہا، آخر کار ہر ایک عضو کو ایذا پہنچی، اور ان کی طاقت زائل ہونے لگی: ہاتھ کفِ افسوس ملنے اور پاؤں ایڑیاں رگڑنے لگے، آنکھوں نے رونا جھیکنا شروع کر دیا، کان بھی مارے ضعف کے سُن ہو گئے، ناک کا بھی ناک میں دم آ گیا، زبان کا بولنا بند ہو گیا۔

معدے نے کہا: او میرے مددگارو! اب تم کو معلوم ہوا کہ جو کچھ تمھاری محنت و مشقت کی بہ دولت مجھ کو پہنچتا تھا وہ رائیگاں نہیں جاتا تھا؛ بلکہ خود تمھارے ہی صرف میں آتا تھا، جو غذا تم مجھے کو حوالے کرتے تھے میں اس کو ہضم کرتا، اور جو خون اس سے پیدا ہوتا، وہ رگوں کے وسیلے سے کُل اعضا میں حصہ رسد تقسیم ہو جاتا تھا، اسی سے تمھاری سب کی پرورش ہوتی تھی۔

جب کہ اعضا نے اپنی حماقت اور سرکشی کا نتیجہ صاف صاف دیکھ لیا، تو بہت نادم و خجل ہوئے، اور توبہ کی کہ آئندہ ایسی خطا نہ کریں گے۔

اسی طرح جو نادان اپنے مربیوں اور آقاؤں کی اطاعت و خدمت کو جبر سمجھتے ہیں، وہ انجام کار ایذا پاتے ہیں اور نقصان اٹھاتے ہیں۔



(۵۸) قناعت

مال ومتاع کی خواہش کو اتنا مختصر کرنا کہ جب یہ قدر کافی میسر آجائے تو دل میں اضطراب باقی نہ رہے، یہ وصف ''قناعت'' کہلاتا ہے،لیکن قدر کافی کی کوئی حد معین نہیں،اس کا فیصلہ ہر شخص کو اپنی حالت وحیثیت کے مطابق کرنا چاہیے۔

جو مقدار خوراک ایک شخص کی سیری کے لیے کافی ہے ممکن ہے کہ دوسرے کی اشتہا کو پورا نہ کرسکے، جو معاش ایک مجرد آدمی کے لیے بس ہے، کچھ ضرور نہیں کہ وہ ایک عیال دار کے واسطے بھی کافی ہو؛ اسی طرح عادت کے لحاظ سے بھی انسان کی ضرورتیں مختلف ہو جاتی ہیں؛ لیکن عادت کے ہاتھوں بک جانا یہ خود اپنا قصور ہے، اگر انسان چاہے تو ان میں تبدیلی اور اصلاح کرسکتا ہے۔

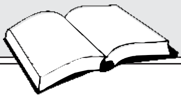
غرض خواہشوں کا محدود کرنا یایوں سمجھو کہ فضول حاجتوں سے آزادی حاصل کرنا قناعت ہے؛ اور قناعت کا نتیجہ اطمینان، خوشی، رضامندی اور شکرگزاری ہے، شروع میں قناعت مصیبت کی دھمکی دیتی ہے، لیکن انجام کار وہ امن و عافیت کا دروازہ کھول دیتی ہے۔

حرص وطمع اول عیش طرب کی اُمید دلاتی ہے مگر آخر میں تشویش، تردد اور پشیمانی کے سوا کچھ نہیں دیتی؛ زمانے کا گلہ، قسمت کے شکوے اور خدا کی ناشکری سکھاتی ہے۔

دولت بغیر قناعت کے محتاجی کو دور نہیں کرسکتی؛ مگر قناعت بغیر دوات کے آدمی کو تو نگر بنا دیتی ہے، دولت اکثر بے جا خواہشوں کو اُبھارتی ہے، قناعت ہمیشہ ان کی بیخ کنی کرتی ہے، پس قناعت کو جو گنجِ دولت سے تشبیہ دیتے ہیں تو یہ کوئی شاعرانہ خیال نہیں؛ بلکہ واقعی بات ہے۔

خبردار! تم اپنی حالت کا مقابلہ زیادہ خوش حال آدمیوں کی حالت سے نہ کیا کرو، یہی مقابلہ تمھارے دل میں لوبھ لالچ کی آگ کو بھڑکاتا ہے، تم کو مناسب ہے کہ ہمیشہ آپ سے کمتر لوگوں کے حال پر نظر کرو؛ تاکہ تمھارے دل میں قناعت پیدا ہو۔

کاہلی اور قناعت میں ظاہرا مشابہت معلوم ہوتی ہے، لیکن غور اور تمیز کرنے سے ان کا نفاذت صاف عیاں ہو جاتا ہے، قناعت واجبی کوششوں سے کبھی نہیں رکتی، اور ناز واخواہشوں کے پاس نہیں پھٹکتی؛ کاہلی واجبی محنت ومشقت سے جی چراتی، ناجائز رغبتیں پیدا کرتی، خیالات کو پست اور ہمت کو ست بنا دیتی ہے۔



(۵۹) بیلون یا تختارہ

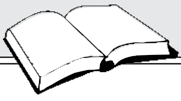
اگر ایک پر روغن کپے کو ڈاٹ لگا کر تہہ آب میں غرق کر دیں، تو وہ از خود اوپر کو اٹھتا چلا آتا ہے، حال یہ ہے کہ اتنے ہی قد وقامت کا پانی جتنا کہ کُپا ہے، بہ نسبت اس وزن کے جو تیل اور کپے کا ہے زیادہ وزنی ہے، اور یہ قدرتی قانون ہے کہ سیال چیزیں ہلکی شے کو اوپر اچھال دیتی ہیں۔

اسی قاعدے کے مطابق آتش بازی کا بُرج ہوا میں بلند ہو کر، رات کے وقت مثل ستارے یا متحرک انگارے کے نظر آتا ہے؛ غالبًا یہ تماشا کسی شادی کی تقریب میں تمھاری نظر سے گذرا ہوگا۔

اسی طرح بیلون یا غبارہ اُڑاتے ہیں جو کئی میل تک ہوا میں صعود کرتا ہے، وہ ایک ہلکا تھیلا باریک ریشمی پارچے کا ہوتا ہے، جس پر روغن اس لیے کر دیتے ہیں کہ اس کے مسامات سے ہوا نہ گذر سکے، جب اس ریشمی کیسے میں ''ہائیڈروجن'' گیس بھرتے ہیں، تو وہ پھول کر ایک کُرہ یا بیضہ کی شکل کا ہو جاتا ہے، ''ہائیڈروجن'' ایک قسم کی ہوا ہے کہ اس معمولی ہوا سے وزن میں چودہ گئی خفیف ہے۔

غبارہ کا ڈھانچہ حساب کی رو سے اتنا وسیع رکھتے ہیں، کہ ڈھانچہ اور جو شخص اس میں سوار ہو، اور جتنی مقدار ہائیڈروجن کی اس کے اندر سما جائے، ان تینوں کا مجموعی وزن اتنی ہی قد وقامت کی عام ہوا کے وزن سے کم ہو، اس اندازے سے تیار کر کے جب اس کی ڈوری چھوڑتے ہیں، تو وہ اپنے راکب سمیت سطح زمین سے آسمان کی جانب صعود کرتا اور ہوا کے رخ چلتا ہے۔

اس فن کے ماہرین نے ایسی ترکیب بھی نکال لی ہے کہ اس کے زور کو کم وبیش کر سکیں، اور جہاں چاہیں اتر سکیں لیکن ابھی اتنا قابو نہیں پایا کہ اس کو عام سواری کی طرح کام میں لاسکیں ممکن ہے کہ غبارہ کی صنعت کسی زمانے میں اتنی ترقی پکڑ جائے، کہ انسان اس کی وساطت سے ہوا پر سفر کر کے بے خوف وخطر منزل مقصود کو پہنچ سکے۔



(۶۰) کوین وکٹوریہ

خوشی ایک مشغلہ ہو رات دن کا شمار افزوں ہو اس کے سال وسن کا
خدا حافظ خدا حافظ کوین کا

ہے جشن اس کی شہنشاہی میں ہر جا سکھی ہیں آج راجا اور پر جا
خدا حافظ خدا حافظ کوین کا

کوین دنیا کے ہر خطے میں نامی غریبوں اور مسکینوں کی حامی
خدا حافظ خدا حافظ کوین کا

رعایاتن ، کوین اس تن کی جاں ہے خدا کی خلق پر وہ مہرباں ہے
خدا حافظ خدا حافظ کوین کا

دعا گو اس کا یورپ اور پچھاں بھی فرنگستان بھی ہندوستان بھی
خدا حافظ خدا حافظ کوین کا

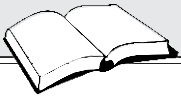
رہے زندہ کوین با دولت و بخت رہے محفوظ اس کا تاج اور تخت
خدا حافظ خدا حافظ کوین کا

ہیں اکثر ساکنان ربع مسکنوں کوین کے عہد میں مامون ومصنون
خدا حافظ خدا حافظ کوین کا

ہے اس کا ملک راحت کا ٹھکانا زمانہ اس کا ہے طرفہ زمانہ
خدا حافظ خدا حافظ کوین کا

سبھی احسان اس کا مانتے ہیں اسے پیارا شہنشہ جانتے ہیں
خدا حافظ خدا حافظ کوین کا

ہیں اس کے عہد میں انسان بڑھتے نہال تازہ ہیں پروان چڑھتے
خدا حافظ خدا حافظ کوین کا



سمندر، شہر، جنگل اور پربت سبھی گلزار ہیں اس کی بہ دولت
خدا حافظ خدا حافظ کوین کا
نظام الدین کی التجا یہ نکلتی ہے تہ دل سے دعا یہ
خدا حافظ خدا حافظ کوین کا

(۶۱) زراعت

(ا)زراعت اوراقسام زراعت

بتاؤ! زراعت کسے کہتے ہیں؟ زمین کو جوت بو کر اس سے ہر قسم کی پیداوار حاصل کرنا زراعت ہے؛ لیکن زراعت کا ایک بڑا اجزو اور بھی ہے، وہ کیا؟ جانوروں کا پالنا، ان کے لیے چارہ بونا، اچھی طرح کھلانا اور ان کو خبرداری سے رکھنا۔

زراعت کرنے والے کو کون کون سے جانور پالنا مناسب ہیں؟ کم سے کم گائیں بھینسیں، بکریاں، گھوڑیاں؛ ان کے علاوہ چند قسم کے گھریلو پرندے بھی پالنے چاہئیں۔

کاشت کاری اور گلہ بانی: یہ دو زراعت کے بڑے فن ہیں۔

فن کاشت کاری سے ہم کو سب قسم کے مفید پودوں کا بونا اور پرورش کرنا آتا ہے۔

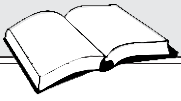
فنِ گلہ بانی سے جانوروں کا پالنا اور ان کی نسل بڑھانا آتا ہے۔

کاشت کاری بھی دو طرح کی ہے: کسانی اور باغبانی۔

''کسانی'' تو کھیتی کو کہتے ہیں جو بڑے بڑے رقبے کے کھیتوں میں کم محنت اور کم خرچ سے کی جاتی ہے۔ سب قسم کے غلے جن کو ہم کھاتے ہیں، تِلہن کی اجناس جن سے تیل نکالتے ہیں، ریشہ دار پودے جیسے کپاس اور سَن، ان کے سوا اور کارآمد چیزیں، جیسے: ایکھ (اوکھ)، نیل، تمبا کو پیدا کرنا خاص کر کسانی کے کام ہیں۔

''باغبانی'' باغ کے کاموں کو کہتے ہیں، جن میں کسانی کی نسبت محنت اور خرچہ زیادہ درکار ہے۔

باغبانی میں ایک تو کچھیانہ ہے جس میں آلو، پونڈا، گوبھی وغیرہ قیمتی اجناس بوئی جاتی ہیں۔



دوسری باڑی ہے جس میں خربوزہ، تربوز، لوکی، تری اور قسم قسم کی ترکاریاں چھوٹے چھوٹے کھیتوں کے گرد ار گرد ڈنٹیاں یا لکڑیاں گاڑ کر یعنی پاڑ بنا کر بوتے ہیں۔

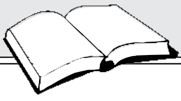
تیسرے پھلواری ہے جن میں پھولوں اور پھلوں کے درخت انواع واقسام کے لگائے جاتے ہیں۔

(۲) زمین اور اقسام زمین

یہ تو تم کو معلوم ہوگا کہ زمین اور مٹی ایک ہی چیز ہے، مگر یہ بتایئے کہ مٹی اصل میں ہے کیا چیز؟ سنو! مٹی پتھروں کا مہین چورا ہے، پتھر تو تم نے دیکھا ہی ہے، جن کی سلیں اور چکیاں بناتے ہیں، عمارت میں لگاتے ہیں، انھیں پتھروں کے گسنے ٹوٹنے اور ریزہ ریزہ ہونے سے مٹی بنتی ہے۔

پتھر ہم نے دیکھا تو ہے مگر یہ فرمایئے کہ پتھر جیسی سخت چیز کیوں کر گھستی ٹوٹتی اور چور چور ہو جاتی ہے؟ اس میں شک نہیں کہ پتھر سخت چیز ہے مگر حرارت پانی اور ہوا کی قوتیں ایسی زبردست ہیں کہ پتھروں کو رگڑ مسل کر مٹی بنا دیتی ہیں، یہ ہی قوتیں مٹیوں کو مہین و ملائم کر کے رس پر لاتی ہیں تو کیا مٹی اور پتھر دونوں ایک ہی چیز ہیں؟ تم خود دیکھ لو جو اجزا پتھر کے وہی مٹی کے، رتی بھر فرق نہیں، مثلاً: ایک چیز بالو ہے، جو دریاؤں کے کنارے بکثرت ہوتی ہے۔ چھونے میں بھربھری اور دانہ دار معلوم ہوگی، دوسری چیز چکنی مٹی ہے جو چھونے میں ملائم اور بھیگنے کے بعد لیسدار معلوم ہوگی، تم اس کی آزمائش اس طرح کرو، پتھر کو خوب مہین پیسو اور پانی میں ڈال کر دیر تک چلاتے رہو، پھر چھوڑ دو، جب پانی ٹھہر جائے تو میلا پانی زمین پر ڈالو، پانی خشک ہونے کے بعد جو شے زمین پر جم گئی وہ کیا ہے؟ یہ ہی چکنی مٹی ہے، چھو کر دیکھ لو، چکنی بھی ملائم بھی لیسدار بھی، اب جو چیز برتن میں رہ گئی وہ بالو ہے دیکھ لو، ایسا ہی بھربھرا اور دانہ دار؛ اسی طرح مٹی کو گھول کر دیکھو اس میں بھی چکنی اور بالو دونوں نکلیں گی، اس وقت تم کو یقین آجائے گا کہ پتھر اور مٹی ایک ہی چیز ہے۔

مٹی اور پتھر دونوں میں چکنی مٹی اور بالو کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں شامل ہیں، جیسے چونا لوہا وغیرہ، یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ جس مٹی میں بالو زیادہ ہوتی ہے اس کو ''بلوا'' یا ''بھوڑ'' کہتے ہیں، جس میں چکنی مٹی زیادہ ہوتی ہے اس کو ''چکنوٹ'' یا ''مٹیار'' کہتے ہیں، جس مٹی میں آدھی بالو اور آدھی چکنی مٹی ہو اس کو ''دومٹ'' کہتے ہیں، زراعت کے لیے دومٹ مٹیاں بہت اچھی اور اعلیٰ درجے کی ہیں، اس سے اتر کر مٹیار ہے، لیکن بلوائیاں ادنیٰ درجے



کی ہوتی ہیں۔

(۳)ہل کے پرزے اوران کے نام

ہل توتم نے دیکھا ہی ہے جس سے کھیت جوتتے ہیں، اب تم ہل کے تمام پُرزوں کو دیکھواوران کے نام یاد کرلو۔

۱۔ یہ لوہے کی نوک دار سلاخ ''پھار'' کہلاتی ہے۔

۲۔ لکڑی کا پُرزہ گاودم سا جس پر پھار جڑی ہے ''پرہاری'' کہلاتا ہے۔

۳۔ اس درمیانی پرزے کو جس میں پرہاری ٹھوکی ہے ''کڑھا'' کہلاتا ہے۔

۴۔ یہ کھڑی لکڑی جو کڑھے سے جڑی ہوئی ہے اس کا نام ''پریتھا'' ہے۔

۵۔ یہ لکڑی کی کھونٹی جو پریتھے کے اوپری سرے کے قریب لگی ہوئی ''مٹھیّا'' ہے۔

۶۔ یہ لمبی لکڑی جس کا ایک سرا کڑھے میں ٹھوکا ہوا ہے ''ہریس'' کہلاتی ہے۔

۷۔اس لکڑی کی کھونٹی کو جو ہریس کے باہری سرے کے پاس لگی ہے ''ہرینی'' بولتے ہیں۔

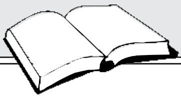
یہ لکڑی کے ٹکڑے جو کڑھے کے چھید میں ہریس کے اوپر اور نیچے لگے ہوئے ہیں ان کو ''پاٹ'' یا ''پاٹی'' کہتے ہیں۔

۹۔ ہل لوہے کے بھی بنائے جاتے ہیں؛ مگر ان میں ایک پرزہ اور ہوتا ہے جس کو ''سینہ'' کہتے ہیں، ان آہنی ہلوں سے کھیت کی جوتائی بہت گہری ہوتی ہے، جس قدر مٹی اکھڑتی ہے وہ ہل کے سینے پر آتی اور آپ ہی آپ پلٹ بھی جاتی ہے، یہ اس طرح نیچے کی مٹی اُلٹ کر ہوا اور دھوپ میں آجاتی ہے، یہ ترقی دادہ ہل کہلاتا ہے؛ غرض ہل وہی اچھا ہے جو کھیت کو گہرا جوتے اور اکھڑی ہوئی مٹی کو لوٹ بھی دے۔

(۴) جوتائی اور میائی

کھیتوں کی جوتائی کیوں کرتے ہیں؟ اس لیے کرتے ہیں کہ کھیت کی جمی ہوئی مٹی اکھڑ کر اور ٹوٹ کر دھوپ اور ہوا میں آجائے، کھیت کی اکھڑی اور ٹوٹی ہوئی مٹی کو دھوپ اور ہوا میں لانے سے فائدہ؟ ہاں یہ فائدہ ہے کہ کھدی ہوئی مٹی دھوپ میں اور ہوا میں رہنے سے مہین ہو کر پھولتی اور نرم ہوتی ہے۔

یاد رکھو! کھیت کی مٹی جس قدر زیادہ گہری جوتی ہوگی اور ٹوٹ کر زیادہ مہین ہوگی، اسی قدر پودے کی جڑیں زمین



کے اندر زیادہ دور تک جائیں گی اور پھیلیں گی، اس صورت میں جڑوں کو زیادہ مٹی سے غذا حاصل ہوگی، اور وہ تری اور ٹھنڈک میں بھی رہیں گی جب وہ ٹھنڈک میں رہیں گی تو گرمی اور ہوا کی خشکی سے پودے جلدی سوکھنے اور مرنے نہ پائیں گے۔

کھیت کو سراون سے کیوں میاتے ہیں؟ ہل کے چلانے سے جو ڈھیلے اکھڑ آتے ہیں وہ سراون کے رگڑنے سے ٹوٹتے ہیں اور مٹی باریک ہو جاتی ہیں، سراون سے مٹی برابر ہو کر کھیت چورس ہو جاتا ہے، اور دب جانے سے مٹی جلد سوکھنے نہیں پاتی؛ بلکہ دھوپ اور ہوا کے اثر سے رس پر آجاتی ہے، رس پر آنے کا مطلب یہ ہے کہ پودوں کی غذا جو مٹی میں ہوتی ہے وہ دھوپ اور ہوا کے اثر سے ترکیب پائے، نمک یا شکر کی طرح زمین کی آل (رطوبت) میں گھل کر اس قابل ہو جائے کہ پودوں کے کام آئے؛ کیوں کہ پودے کی جڑیں زمین سے صرف وہی چیزیں لے سکتی ہیں جو زمین کی آل میں گھلی ملی ہوں۔

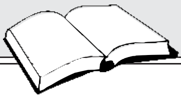
یاد رکھو! کھیت کی جوتائی میائی صرف اس غرض سے کی جاتی ہے، کہ کھیت کی مٹی میں جو پودے کی خوراک موجود ہے وہ زمین کی آل میں گھل مل جانے کے قابل ہو جائے۔

(۵) کھاد اور کھاد کا بنانا

کھاد (کھات) کیا چیز ہے؟ کھاد پودے کی غذا ہے جو زمین میں ہوتی ہے، اس کو پودے اپنی جڑوں کے وسیلے سے پانی کے ساتھ لیتے ہیں یہ تو بتائیے! پودوں کی کھاد زمین کو کہاں سے ملتی ہے؟ زمین کو نباتات سے حیوانات سے اور معدنیات سے ملتی ہے۔

نباتات کس کو کہتے ہیں؟ اور نباتات کی کھاد کیوں کر بنتی ہے؟ چھوٹے بڑے پیڑوں کو نبات یا نباتات کہتے ہیں، یہ مر کر اور سڑ کر کھاد بنتی ہیں اور زمین میں ملتے رہتے ہیں، اس کو کھاد کہتے ہیں۔

نباتی کھاد اس طرح بناتے ہیں کہ کوڑا پتیاں یا پودے کھتے میں بھر کر بند کر دیتے ہیں، نو دس مہینے میں وہ گل سڑ کر کھاد ہو جاتے ہیں، اس کھاد کو کھتے سے نکال کر کھیت میں برابر پھیلاتے ہیں اور ہل سے جوت کر مٹی میں ملا دیتے ہیں، تلہن کی کھلیان بہت زوردار کھادیں ہیں، کھیت میں پھلی دار جنس جیسے نیل یا سنئی یا کھرتی (گوار) کو جو سب سے بہتر ہے بوئیں، جب پھولنے پر آئے تو جوت کر اس کو زمین میں ملا دیں، وہ گل سڑ کر کھاد ہو جائے گی ایسی کھاد کو سبز



کھاد کہتے ہیں، یہ بہت ارزاں اور آسان ہے۔

حیوانات کس کو کہتے ہیں؟ اور حیوانات سے کھاد کیوں کر بنتی ہے؟ کیڑے مکوڑے اور سب قسم کے جانور حیوان یا حیوانات کہلاتے ہیں، جانوروں کے مردے اور فضلے سڑ کر اور کھاد بن کر زمین میں ملتے رہتے ہیں، اس قسم کی کھاد کو حیوانی کھاد کہتے ہیں۔

حیوانی کھاد بنانے کی یہ ترکیب ہے کہ مُردہ جانور یا ان کے فضلے، جیسے: گوبر، مینگنی، بیٹ اور پیشاب؛ اور ان کے اجزا یعنی: سینگ، کُھر، بال، کھال اور ہڈیاں کھتوں میں بند کر کے کھاد بناتے ہیں، حیوانی کھادیں نباتی کھادوں کی نسبت بہت زیادہ زوردار ہوتی ہیں۔

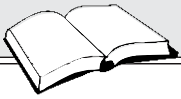
معدنیات کس کو کہتے ہیں؟ اور اس کی کھادیں کیوں کر بناتے ہیں؟ جو چیزیں زمین سے نکالی جاتی ہیں وہ معدنی یا معدنیات کہلاتی ہیں، جیسے: نمک، شورہ، چونا، کھاد (راکھ) یہ سب عمدہ کھادیں ہیں، ان کو معدنی کھاد کہتے ہیں، شورہ تو بوئے ہوئے کھیت میں چھڑک دیتے ہیں، باقی چیزوں کو برابر پھیلا کر ہل جوت کر ملا دیتے ہیں۔

(۶) بیج اور بیج کی بوائی

بتاؤ! بیج کیا چیز ہے؟ بیج پودے کا پونڈا ہے جو پھلوں کے اندر ہوتا ہے، اس کے ہونے سے نیا پودا پیدا ہو جاتا ہے، بیج کا چھلکا اتارنے کے بعد جو چیز اندر سے نکلتی ہے وہی تو نیا پودا ہے۔

تم مٹر یا سیم کے بیج لو، تھوڑے پانی میں ان کو رات بھر تر رکھو، صبح کو وہ پھولے ہوئے اور نرم ہوں گے، آہستگی سے ان کا چھلکا اتارو، اور اب جو چیز باقی رہی اس کو مغز یا گری کہتے ہیں، یہ ہی گری پودا ہے، اس گری کو رسان سے چٹکی میں دباؤ، دو برابر کی دالیں ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گی؛ مگر صرف ایک جگہ جڑی رہیں گی، غور سے دیکھو تو اس جوڑ پر ایک چھوٹی سی چیز نظر آئے گی جو کواکھوا (اَنکُسا) کہتے ہیں۔

اکھوے کے تین حصے ہوتے ہیں: نیچے والا حصہ "منڈا" ہوتا ہے، سب سے پہلے یہ ہی بڑھتا اور جڑ بن کر زمین کے اندر جاتا ہے، اب اوپر والے حصے پر ذرا غور کرو تو تم چھوٹی چھوٹی پتیاں دیکھو گے، اس حصے کے بڑھنے سے اصلی پتیاں پیدا ہوتی ہیں، درمیانی حصے سے دونوں دالیں جڑی ہوتی ہیں، یہ حصہ بڑھ کر اور اوپر والے حصے کو لے کر زمین سے باہر نکلتا اور تنہ بنتا ہے، جس کے اوپر پتیاں لگتی ہیں، بیج کے جمنے پر یہ دونوں دالیں بھی جو سب سے پہلے زمین سے



نکلتی ہیں دو ہری ہری پتیاں بن جاتی ہیں۔

بتاؤ تم کھیت میں بیج کس طرح بوؤ گے؟ ایک تو چھینٹو اں بوئیں گے، یعنی: بیج کو ہاتھ سے چھینٹ کر ہل چلا کر مٹی میں ملا دیں گے، دوسرے کونڈڑ واں یعنی: تیار کھیت میں ہل چلائیں گے، ہل کے پیچھے کونڈ میں ہاتھ سے بیج ڈالتے جائیں گے؛ تیسرے لائن میں بوئیں گے، اس طور سے کہ تیار کھیت میں برابر دوری پر سیدھی نالیاں بنا کر برابر فاصلے پر بیج ڈالیں گے۔

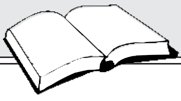
اچھا یہ بتاؤ! کون سے طریقے سے بیج بونا زیادہ مفید ہے؟ لائن میں برابر دوری پر نائی ہل سے ہونے میں فائدہ ہے، یہ بھی بتا سکتے ہو کہ چنا چھنٹا اچھے سے اچھا بیج بونا کیوں چاہیے؟ اس لیے کہ سب بیج جمیں، پودے زوردار ہوں اور پیداوار اچھی بیٹھے۔

(۷) سنچائی

ہم پڑھ چکے ہیں کہ پودے کی بھی جان ہے اور اس کی زندگی بھی کھانے پر ہے، پودے کی غذا یا کھاد زمین میں ہوتی ہے، جو زمین کی آل میں مثل شکر یا نمک کے حل ہو جاتی ہے، جب پودا زمین کی آل اپنی جڑوں کے ذریعے سے چوستا ہے، تو پانی کے ساتھ اس کی کھاد بھی جڑوں میں جاتی ہے جس سے پودے کی پرورش ہوتی ہے، اگر پانی زمین میں باقی نہ رہے اور مٹی خشک ہو جائے تو پودے بھی سوکھ کر مر جائیں، اس لیے یہ کہنا ٹھیک ہے کہ پودے کی زندگی پانی پر ہے۔

اب یہ بتا دیجیے کہ پانی زمین میں کہاں سے آتا ہے؟ پانی زمین کو بارش کے ذریعے سے ملتا ہے، جب مینہ برستا ہے تو پانی کا کچھ حصہ اوپر اوپر بہہ جاتا ہے، کسی قدر زمین میں جذب ہو جاتا ہے، اگر کھیت کی مٹی باریک اور ملائم ہو تو شبنم سے بھی زمین کو پانی ملتا ہے، اچھا! اگر پانی نہ برسے اور کھیتوں کی مٹی سوکھنے لگے تو ہم کیا کریں؟ ایسی حالت میں لازم ہے کہ مصنوعی طریقوں سے اپنے کھیتوں میں پانی پہنچائیں، مصنوعی طریقے سے پانی پہنچانے کو سنچائی یا آبپاشی کہتے ہیں۔

کھیتوں کی سینچائی یا آبپاشی کیوں کر کرتے ہیں؟ اس طرح کرتے ہیں کہ کھیتوں کے پاس اگر کنواں ہے، تو چمڑے کے بڑے بڑے ڈولوں یا چرسے سے پانی کھینچ کر کھیتوں میں دیتے ہیں؛ اگر تالاب جھیل یا نہر قریب ہے، تو



بیڑی، ڈ گلے یا پروے سے پانی اٹھا کر کھیتوں میں پہنچاتے ہیں۔

کتنا پانی ایک دفعہ میں کھیت کو دینا چاہیے؟ بوئے ہوئے کھیت میں اتنا پانی ایک دفعہ دیا جائے کہ پانی آہستہ آہستہ زمین میں سوکھتا ہوا آگے بڑھے، نہ ایسا کہ کھیت میں زور سے بہے اور بھرا رہے، اگر پانی کھیت میں زیادہ دے دیا جائے تو کیا نقصان ہوگا؟ ایک نقصان تو یہ ہوگا کہ پودے گر جائیں گے، دوسرا نقصان یہ ہوگا کہ ضرورت سے زیادہ پانی کھیت کو کمزور کردے گا؛ کیوں کہ زیادہ پانی میں پودوں کی غذا بھی زیادہ گھلے گی، اور بوئی ہوئی جنس کے پودے اس کو اپنے صرف میں لے آئیں گے، اس صورت میں پیداوار تو بے شک زیادہ ہوگی، لیکن زمین سے پودے کی کھاد جو زیادہ نکل جائے گی تو زمین خالی یا کمزور ہو جائے گی۔

(۸) کٹائی، مڑائی اور اوسائی

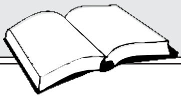
یہ بتایئے کہ بُوئی ہوئی جنس کو کیا کرتے ہیں؟ بوئی ہوئی جنس جب پک پکا کر تیار ہو جاتی ہے تو ہسیوں (درانتیوں) سے کاٹ لیتے ہیں، جس کو کٹائی یا درو کرنا کہتے ہیں۔

فصل کے پختہ اور تیار ہو جانے کی کیا پہچان ہے؟ ایک پہچان تو یہ ہے کہ پودوں پر زردی آجاوے، دوسری پہچان یہ ہے کہ دانے کو دانت سے کاٹیں تو دبے نہیں؛ بلکہ کٹ جاوے۔

فصل کو ہسیوں (درانتیوں) سے کاٹ کر کیا کرتے ہیں؟ ہسیوں سے کاٹ کر کھیت میں رکھتے جاتے ہیں؛ تاکہ دھوپ میں سوکھیں، اس کو لانک کہتے ہیں، شام کے قریب لانک کی پولیاں باندھ کر پولیوں کے گٹھے بنا لیتے ہیں، ان گٹھوں کو اٹھا کر کھلیان میں جمع کرتے ہیں۔

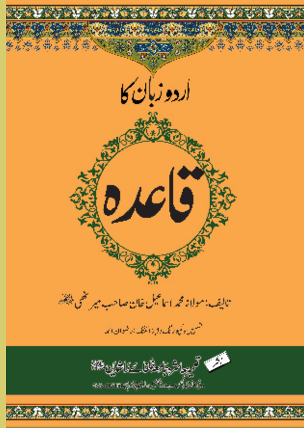
کھلیان کسے کہتے ہیں؟ کھلیان وہ جگہ ہے، جہاں گاہی ہوئی اجناس کو جمع کر کے اور سکھا کے ماڑ لیتے (وان لیتے) ہیں۔

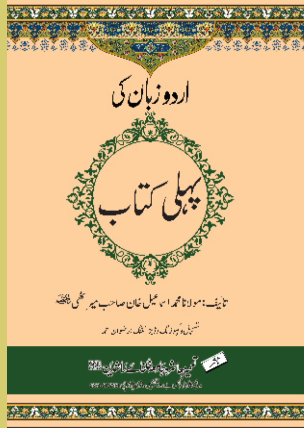
مار لینے یا وان لینے سے کیا مراد ہے؟ اس سے یہ مراد ہے کہ کھلیان کی زمین کو کوٹ پیٹ کر لیپتے ہیں، جب سوکھ جاتی ہے تو اس پر بہ شکل دائرہ لانک بچھا کر چبوترہ سا بنا لیتے ہیں، اور اس لانک پر بیلوں کو گھماتے ہیں، اسی کو گاہنا بھی کہتے ہیں، اس عمل سے لانک ٹوٹ کر بھوسہ بن جاتا اور دانہ نکل آتا ہے، اب دانے کو بھوسے سے اوسا کر جدا کرتے ہیں۔

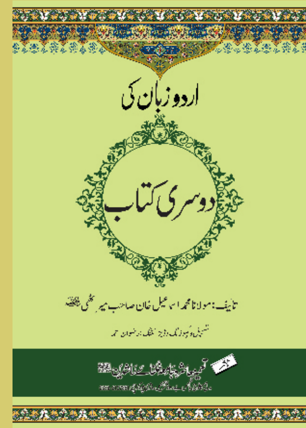


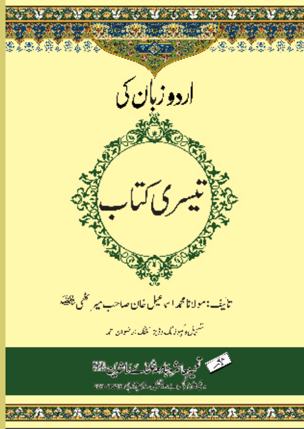
اوسانا کس کو کہتے ہیں؟ ماڑا ہوا یا گاہا ہوا اناج ٹوکریوں میں بھر کر ہوا کے رخ کھڑے ہو کر زمین پر گراتے جاتے ہیں، ہوا کے زور سے بھوسہ تو اُڑ کر الگ گرتا ہے، اور دانہ ایک جگہ جمع ہوتا جاتا ہے۔

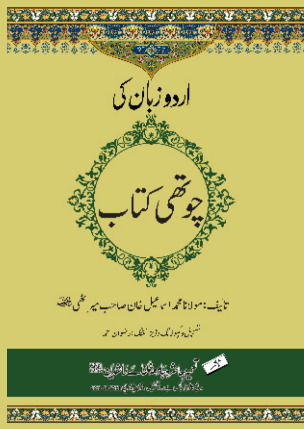
اگر ہوا نہ ہو تو اوسائی کیوں کر کریں؟ جب ہوا نہیں چلتی یا کم چلتی ہے تو کملی یا دوبر یا کوئی اور موٹا کپڑا لے کر دو آدمی ہلاتے ہیں، تیسرا آدمی ماڑا ہوا اناج ٹوکری میں سے گراتا جاتا ہے، اس کو پرتی لگانا کہتے ہیں۔

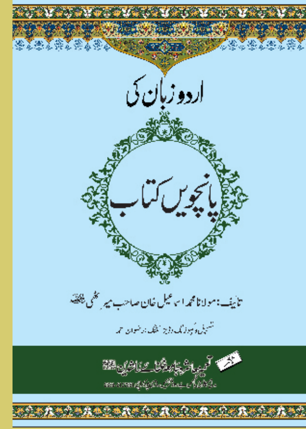


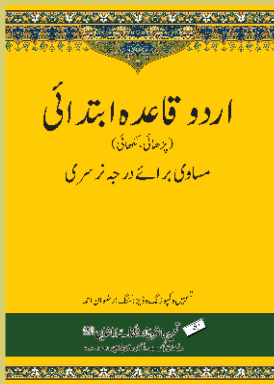




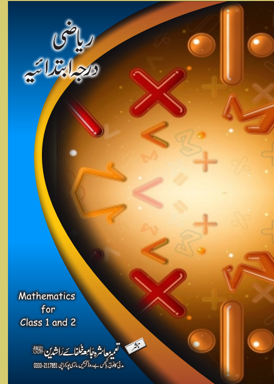


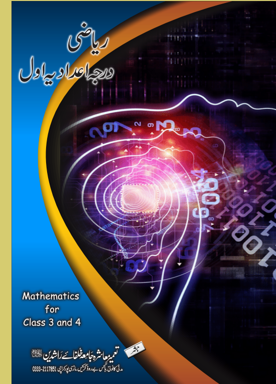














ناشر
تعمیر معاشرہ جامعہ خلفائے راشدین
مدنی کالونی، ہاکس بے روڈ گریکس، ماڑی پور کراچی 0333-2117851